جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ

ترجمان القرآن

نومبر ۲۰۰۰

مدیر
پروفیسر خورشید احمد

ادارۂ ترجمان القرآن

ماہنامہ
ترجمان القرآن

جلد ۱۲۷، عدد ۱۱، نومبر ۲۰۰۰ء، شعبان ۱۴۲۱ھ

مدیر: پروفیسر خورشید احمد　　نائب مدیر: مسلم سجاد

ترتیب

ادارتی امور

منصورہ، ملتان روڈ، لاہور

فون: ۵۴۲۵۳۵۶ (۰۴۲)

فیکس: ۷۸۳۲۱۹۴ (۰۴۲)

مدیر انتظامی

عبدالکریم

۵- اے ذیلدار پارک، اچھرہ، لاہور

فون: ۷۵۸۷۹۱۶ (۰۴۲)

فیکس: ۷۵۸۵۵۹۰ (۰۴۲)

☆

ویب سائٹ

www.tarjumanulquran.com

ای - میل

tarjuman@pol.com.pk

☆

قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے

زر سالانہ: ۲۰۰ روپے

بھارت ۳۵۰ روپے

بنگلہ دیش، ایران ۵۰۰ روپے

مشرق وسطیٰ، یورپ،

مشرق بعید، افریقہ ۷۰۰ روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ۹۵۰ روپے

۶۰ سال پہلے

کلمہ پڑھنے کے معنی

اصل چیز معنی ہیں۔ الفاظ کی تاثیر معنوں سے ہے۔ معنی اگر نہ ہوں' اور وہ دل میں نہ اتریں' اور ان کے زور سے تمھارے خیالات اور تمھارے اعمال نہ بدلیں' تو نرے الفاظ بول دینے سے کچھ بھی اثر نہ ہوگا----

فرض کرو تمھیں سردی لگتی ہے۔ اگر تم زبان سے روئی لحاف' روئی لحاف پکارنا شروع کر دو تو سردی لگنی بند نہ ہوگی' چاہے تم رات بھر میں ایک لاکھ تسبیحیں روئی لحاف کی پڑھ ڈالو۔ ہاں' اگر لحاف میں روئی بھروا کر اوڑھ لو گے تو سردی لگنی بند ہو جائے گی۔ فرض کرو کہ تمھیں پیاس لگ رہی ہے۔ اگر تم صبح سے شام تک پانی' پانی پکارتے رہو تو پیاس نہ بجھے گی۔ ہاں' پانی کا ایک گھونٹ لے کر پی لو گے تو کلیجے کی ساری آگ فوراً ٹھنڈی ہو جائے گی۔ فرض کرو کہ تم کو نزلہ' بخار ہو جاتا ہے۔ اس حال میں اگر بنفشہ گاؤزبان' بنفشہ گاؤزبان کی تسبیحیں تم پڑھنی شروع کر دو گے تو نزلہ' بخار میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ ان دواؤں کا جوشاندہ بنا کر پی لو گے تو نزلہ' بخار خود بھاگ جائے گا۔ بس یہی حال کلمہ طیبہ کا بھی ہے۔ فقط چار سات لفظ بول دینے سے اتنا بڑا فرق نہیں ہوتا کہ آدمی کافر سے مسلمان ہو جائے' ناپاک سے پاک ہو جائے' مردود سے محبوب بن جائے' دوزخی سے جنتی بن جائے۔ یہ فرق صرف اس طرح ہوگا کہ پہلے ان الفاظ کا مطلب سمجھو اور وہ مطلب تمھارے دل میں اتر جائے۔ پھر مطلب کو جان بوجھ کر جب تم ان الفاظ کو زبان سے نکالو تو تمھیں اچھی طرح یہ احساس ہو کہ تم اپنے خدا کے سامنے اور ساری دنیا کے سامنے کتنی بڑی بات کا اقرار کر رہے ہو اور اس اقرار سے تمھارے اوپر کتنی بڑی ذمہ داری آگئی ہے۔ پھر یہ سمجھتے ہوئے جب تم نے اقرار کر لیا تو اس کے بعد تمھارے خیالات پر اور تمھاری ساری زندگی پر اس کلمے کا قبضہ ہونا چاہیے۔ پھر تم کو اپنے دل اور دماغ میں کسی ایسی بات کو جگہ نہ دینی چاہیے جو اس کلمے کے خلاف ہو۔ پھر تم کو ہمیشہ کے لیے بالکل فیصلہ کر لینا چاہیے کہ جو بات اس کلمے کے خلاف ہے' وہ جھوٹی ہے اور یہ کلمہ سچا ہے۔ پھر زندگی کے سارے معاملات میں یہ کلمہ تمھارا حاکم ہونا چاہیے۔ اس کلمے کا اقرار کرنے کے بعد تم کافروں کی طرح آزاد نہیں رہے کہ جو چاہو کرو' بلکہ اب تم اس کلمے کے پابند ہو' جو وہ کہے اس کو کرنا پڑے گا' اور جس سے وہ منع کرے اس کو چھوڑنا پڑے گا (کلمہ طیبہ کے معنی' ابوالاعلیٰ مودودی' جلد ۱۷' عدد ۱' ۲' ۳' رجب' شعبان' رمضان ۵۹ ۱۳ھ' ستمبر' اکتوبر' نومبر ۱۹۴۰ء' ص ۲۷-۲۸)۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

قرآن و سنت کا پیغام

پروفیسر خورشید احمد

انسانوں پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور انعامات کا کوئی شمار نہیں لیکن مالک کی ان بے حساب نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت وہ ہدایت ہے جو اس نے اپنے بندوں کو' جینے کا سلیقہ اور مرنے کے آداب سکھانے کے لیے مرحمت فرمائی ہے۔ یہ ہدایت اشرف المخلوقات بننے کے لیے انسان کی رہنمائی فرماتی ہے۔ یہ جو انسان اور حیوان کے درمیان وجہ تمیز ہے اور اس کے ذریعے انسان تاریکیوں سے روشنی کی طرف سفر کر سکتا ہے' زندگی کے معانی اور کائنات کی حقیقت سے روشناس ہوتا ہے اور خدا کی اس زمین پر اپنا حقیقی کردار ادا کرنے کے لائق بنتا ہے تاکہ آخرت کی زندگی میں کامیاب و کامران ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کی ہر ضرورت کو پورا کرنے کا مکمل اہتمام فرمایا ہے۔ جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنے کے لیے جن جن وسائل کی ضرورت ہے وہ زمین و آسمان میں ودیعت کر دیے گئے ہیں۔ ان سے استفادہ کرنے کی صلاحیتوں سے انسان کو آراستہ کیا گیا ہے اور سب سے بڑھ کر اس کی روحانی' اخلاقی' ذہنی اور تہذیبی و تمدنی ترقی کے لیے وہ ہدایت اور رہنمائی اپنی کتابوں اور اپنے انبیا کے ذریعے فراہم فرمائی ہے جس پر عمل پیرا ہو کر وہ دنیا اور آخرت میں انتہائی بلندیوں کو حاصل کر سکتا ہے۔

زمین پر آدم کے سفر کے آغاز ہی میں اسے اس نعمت سے فیض یاب کر کے کامیابی کے راستے کی نشان دہی فرما دی کہ جو اس ہدایت کے مطابق زندگی گزارے گا وہی کامیاب رہے گا۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ○ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ○ (البقرہ ۲:۳۸-۳۹) پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمھارے پاس پہنچے' تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لیے

کسی خوف و رنج کا موقع نہ ہوگا، اور جو اس کو قبول کرنے سے انکار کریں گے اور ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، وہ آگ میں جانے والے ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

ہدایت اور رہنمائی کا یہ نظام ازل سے جاری ہے اور ابد تک قائم رہے گا۔ اللہ کے تمام رسول اور نبی اپنے اپنے دور میں اللہ کی کتاب اور اس کی روشنی میں اپنی تعلیم اور مثال کے ذریعے یہ رہنمائی فراہم کرتے ہیں اور اس ہدایت کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اپنی آخری اور مکمل ترین شکل میں انسانیت کو قیامت تک کے لیے فراہم کر دیا گیا۔ قرآن اور سنت نبویؐ روشنی کا ایک ایسا مینار ہے جو زمین پر انسانی زندگی کے آخری لمحے تک تابندہ رہے گا اور جس کے ذریعے انسان دنیا میں حیات طیبہ کے حصول اور آخرت میں نہ ختم ہونے والی کامیابی حاصل کر سکیں گے۔ (مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ○ (النحل ۱۶:۹۷) جو شخص بھی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور آخرت میں ایسے لوگوں کو ان کے اجر، ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے)۔

یہ انسانیت کے لیے اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہے جو اس کی رحمت کی بھی مظہر ہے۔ بلاشبہ اس نعمت کے وہی مستحق ہیں جو کتاب و سنت کی اس رہنمائی کو مضبوطی سے تھام لیتے ہیں اور اس آب حیات سے زندگی کو سیراب کرتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ (اٰل عمرٰن ۳:۱۶۴)

درحقیقت اہل ایمان پر اللہ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انھی میں سے ایک پیغمبر اٹھایا جو اس کی آیات انھیں سناتا ہے، ان کی زندگیوں کو سنوارتا ہے، اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے، حالانکہ اس سے پہلے یہی لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔

قرآن ہی اصل ہدایت ہے اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی اس کا وظیفہ ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ○ (بنی اسرائیل ۱۷:۹) حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو بالکل سیدھی ہے، جو لوگ اسے مان کر بھلے کام کرنے لگیں انھیں یہ بشارت دیتا ہے کہ ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

قرآن ہی وہ نور ہے جو دلوں کو روشن کرتا ہے اور زندگی کی پوری شاہ راہ کو تابناک کر کے صراط مستقیم پر انسان کی پیش قدمی کو یقینی بنا دیتا ہے۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چلنے سے دنیا بھی منور اور آخرت بھی منور!

اللہ' اس کے رسولوں اور آخرت پر ایمان کا دعویٰ تو سب ہی الہامی ادیان کے پیرو کرتے ہیں لیکن جو چیز امت مسلمہ کو دوسروں سے ممتاز اور ممیز کرتی ہے وہ قرآن اور اس سب سے سچے انسان محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ہے جس پر قرآن نازل ہوا اور جو قرآن کا سراپا تھا۔ توحید' رسالت اور آخرت کا بھی وہی تصور معتبر ہے جو پہلے قرآن اور صاحبؐ قرآن نے پیش کیا ہے۔ یہی حق و باطل کی کسوٹی اور فرقان ہے۔ ہدایت کا اب ایک اور صرف ایک منبع ہے اور وہ قرآن اور سنت صاحبؐ قرآن ہے۔ یہی ماضی میں ملنے والی ہدایت کا مصدق اور مہیمن ہے اور یہی مستقبل کے لیے مشعل راہ۔ قرآن اللہ تعالیٰ کا وہ ازلی اور ابدی کلام ہے جو اس نے اپنے سچے اور آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا۔ یہ اللہ کی طرف سے بھیجی جانے والی ہدایت کا مجموعہ ہے۔ اس میں عقاید' عبادات' انفرادی و اجتماعی اخلاق اور نجی اور تہذیبی زندگی کے لیے وہ رہنمائی فراہم کی گئی ہے جو وحی کے سوا کسی اور ذریعے سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔ یہ علوم و معارف کا گلدستہ ہی نہیں' اوامر و نواہی اور وعدہ و وعید کا کامل مرقع ہے اور انبیاے سابقین پر نازل ہونے والے صحیفوں اور کتب کا عطر اور خلاصہ ہے۔ قوموں کے عروج و زوال کے اصول و اسباب بھی اس میں اس طرح بیان کر دیے گئے ہیں کہ ماضی سے عبرت حاصل کی جا سکے اور مستقبل کی تعمیر حق و انصاف اور خیر اور صداقت کی بنیادوں پر کامیابی سے کی جا سکے۔

قرآن نے خود اپنے کو جن ناموں اور صفات سے روشناس کرایا ہے ان کی تعداد ۵۰ (کچھ دوسرے اصحاب تحقیق کی رائے میں ۹۹) ہے جو ان پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہیں جن سے قرآن اور اس کا پیغام عبارت ہے۔ خود قرآن کے پیغام کو سمجھنے اور اس سے صحیح بنیادوں پر رشتہ استوار کرنے کے لیے ضروری ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ قرآن خود اپنے کو کس رنگ میں پیش کرتا ہے اور ان کی روشنی میں انسانی زندگی میں اس عظیم کتاب کا کیا کردار سامنے آتا ہے۔

پانچ ناموں کا قرآن میں بکثرت ذکر ملتا ہے: **القرآن** (وہ صحیفہ جو پڑھا جاتا ہے)' **الکتاب** (وہ مجموعہ جو مرتب و مدون ہے اور جو قانون کا درجہ رکھتا ہے)' **الفرقان** (وہ جو حق و باطل کے درمیان خط امتیاز کھینچتا ہے اور ان کے لیے کسوٹی کی حیثیت رکھتا ہے)' اور **الذکر** (جو نصیحت اور یاد دہانی کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے پندونصائح سے عبارت ہے)' اور **الھدٰی** یعنی ہدایت کے اور رہنمائی۔

قرآن کا مرکزی موضوع انسان کی ہدایت ہے' اس لیے اسے الھدٰی قرار دیا گیا ہے۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ (البقرہ ۲:۲) یہ اللہ کی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں' ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لیے۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝

(البقرہ ۲:۹۷) جبرئیل نے اللہ ہی کے اذن سے یہ قرآن تمھارے قلب پر نازل کیا ہے جو پہلے آئی ہوئی کتابوں کی تصدیق و تائید کرتا ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور کامیابی کی بشارت بن کر آیا ہے۔ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ (البقرہ ۲:۱۸۵)۔ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لیے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہے۔

قرآن کتاب ہدایت ہے اور الھدٰی ہونے کے لیے جس جس شرط اور صفت کی ضرورت تھی' ان سب کی جامع ہے۔

۱- ہدایت کے لیے سب سے پہلی ضرورت یہ تھی کہ وہ خالق کائنات کی طرف سے ہو' کسی انسان یا انسانوں کے ذہن کی پیداوار نہ ہو۔ قرآن صرف اللہ کا کلام اور اس کی نازل کردہ وحی کا مجموعہ ہے جس میں نہ ایک شوشے کا اضافہ ہوا اور نہ کمی۔ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ○ (المومن ۴۰:۲) اس کی کتاب کا نزول اللہ کی طرف سے ہے جو زبردست ہے' سب کچھ جاننے والا' تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ (السجدہ ۳۲:۲) اس کتاب کی تنزیل بلاشبہ رب العالمین کی طرف سے ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○ (الحجر ۱۵:۹) رہا یہ ذکر' تو اس کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

۲- ہدایت کے لیے ضروری تھا کہ وہ علم اور حق پر مبنی اور علم اور حق کا مرقع ہو جسے ثبات اور دوام حاصل ہو اور جو مرور زمانہ سے متاثر نہ ہو بلکہ زمانے کا صورت گر ہو۔ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ○ (الاعراف ۷:۵۲) ہم ان لوگوں کے پاس ایک ایسی کتاب لے آئے ہیں جس کو ہم نے علم کی بنا پر مفصل بنایا ہے اور جو ایمان لانے والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ○ (الرعد ۱۳:۳۷) اس ہدایت کے ساتھ ہم نے یہ فرمان عربی تم پر نازل کیا ہے اگر تم نے اس علم کے باوجود جو تمھارے پاس آچکا ہے' لوگوں کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کے مقابلے میں نہ کوئی تمھارا حامی و مددگار ہے اور نہ کوئی اس کی پکڑ سے تم کو بچا سکے گا۔ اَللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ وَالْمِيْزَانَ ۭ (الشوریٰ ۴۲:۱۷) وہ اللہ ہی ہے جس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اور میزان نازل کی ہے۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۭ (البقرہ ۲:۱۷۶) اللہ نے تو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی۔

۳- ہدایت کے لیے ضروری ہے کہ وہ صرف شک و شبہ سے بالا ہی نہ ہو بالکل صاف اور واضح ہو۔

کھلی کھلی نشانیوں سے عبارت، اس کی رہنمائی دو اور دو چار کی طرح نمایاں اور حق کے ہر متلاشی کے لیے کھلی کتاب کے مانند ہو۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ○ (النحل ۱۶:۸۹) ہم نے یہ کتاب تم پر نازل کر دی ہے جو ہر چیز کی صاف صاف وضاحت کرنے والی ہے اور ہدایت و رحمت اور بشارت ہے ان لوگوں کے لیے جنھوں نے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ (حم السجدہ ۴۱:۳-۴) ایک ایسی کتاب جس کی آیات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں، عربی زبان کا قرآن، ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں۔ بشارت دینے والا اور ڈرا دینے والا۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (المائدہ ۵:۱۵-۱۸) تمھارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی آگئی اور ایک ایسی حق نما کتاب جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں، سلامتی کے طریقے بتاتا ہے اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

۴- ہدایت ہی حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والی اور صحیح اور غلط کے لیے کسوٹی ہے۔ یہی وہ میزان ہے یعنی اللہ کی شریعت جو ترازو کی طرح تول کر صحیح اور غلط، حق اور باطل، ظلم اور عدل، راستی اور ناراستی کا فرق واضح کر دیتی ہے اور یہی وہ قانون حیات اور دستور زندگی فراہم کرتی ہے جس پر چل کر انسان دنیا میں کامیاب اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے۔ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ (الحدید ۵۷:۲۵) اور ان یعنی رسول کے ساتھ کتاب اور میزان نازل کی تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا (الفرقان ۲۵:۱) نہایت معتبر ہے وہ ذات جس نے یہ فرقان اپنے بندے پر نازل کیا تاکہ سارے جہاں والوں کو خبردار کر دینے والا ہو۔

۵- یہ ہدایت نور کا سرچشمہ اور روشنی کا اصل منبع ہے۔ هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۭ (الحدید ۵۷:۹) وہ اللہ ہی تو ہے جو اپنے بندے پر صاف صاف آیات نازل کر رہا ہے تاکہ تمھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آئے۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ○ (ابراھیم ۱۴:۱) اے محمدؐ، یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے تمھاری طرف نازل کیا ہے تاکہ تم لوگوں کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لاؤ، ان کے رب کی توفیق سے اس خدا کے راستے پر جو زبردست اور اپنی ذات میں آپ محمود ہے۔

۶- یہ ہدایت تمام روحانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج اور ان کے لیے شفا کا نسخہ ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ (بنی اسرائیل ۱۷:۸۲) ہم اس قرآن کے سلسلہ تنزیل میں وہ کچھ

نازل کر رہے ہیں جو ماننے والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے۔

۷- ہدایت سے کامیابی کا رشتہ ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ ہے ایمان، قبولیت اور اطاعت کا۔ اس کا لازمی حصہ یہ ہے کہ اس ہدایت پر خود بھی عمل کیا جائے اور اسے دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام بھی کیا جائے کہ حق، نور، میزان اور نسخہ شفا کا یہ فطری تقاضا اور مطالبہ ہے۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (الانعام ۶:۱۵۵) اور یہ کتاب ہم نے نازل کی، ایک برکت والی کتاب، پس تم اس کی پیروی کرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو، بعید نہیں کہ تم پر رحم کیا جائے۔ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا (النساء ۴:۴۷) اے وہ لوگو جنھیں کتاب دی گئی تھی، جان لو اس کتاب کو، جو ہم نے اب نازل کی ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ (الزمر ۳۹:۲) (اے نبیؐ) یہ کتاب ہم نے تمھاری طرف برحق نازل کی ہے، لہٰذا اللہ ہی کی بندگی کرو، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے۔ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ط اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ○ (الاعراف ۷:۱۷۰) جو لوگ کتاب کی پابندی کرتے ہیں اور جنھوں نے نماز قائم کر رکھی ہے یقیناً ایسے نیک کردار لوگوں کا اجر ہم ضائع نہیں کرتے۔ اِنَّآ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ط (النساء ۴:۱۰۵) اے نبیؐ، ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمھاری طرف نازل کی ہے تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمھیں دکھائی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ط (الانعام ۶:۱۹) اور یہ قرآن میری طرف بطور وحی بھیجا گیا ہے تاکہ تمھیں اور جس جس کو یہ پہنچے سب کو متنبہ کر دوں۔ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ○ (ق ۵۰:۴۵) پس تم اس قرآن کے ذریعے ہر اس شخص کو نصیحت کرو جو میری تنبیہہ سے ڈرے۔ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ○ (القمر ۵۴:۱۷) ہم نے اس قرآن کو نصیحت کے لیے آسان ذریعہ بنا دیا ہے، پھر کیا ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

ہدایت کے تمام پہلوؤں کا احاطہ ممکن نہیں لیکن قرآن کے الھدٰی ہونے کے چند پہلوؤں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جس سے اس بابرکت کلام کی اصل حقیقت کو سمجھنے میں مدد ملے گی، اس سے اپنا تعلق جوڑنے کی بنیادوں کی تفہیم ہو گی اور اس عظیم کتاب کے پیغام اور مشن تک رسائی میں مدد ملے گی۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ایک کتاب ہدایت اور انسانی زندگی اور تاریخ انسانی میں انقلاب برپا کرنے والی دعوت اور تحریک کا داعی ہے۔ قرآن کی بنیادی دعوت ہی یہ ہے کہ انسان اللہ کا بندہ بن جائے، اس کے سوا کسی کو الٰہ نہ بنائے، کسی دوسرے کی بندگی نہ کرے، عبادت اور اطاعت کو صرف اللہ کے لیے خالص

کرے' دنیا کو مطلوب نہ بنائے اور آخرت کی کامیابی پر نگاہ کرے' اس سے دنیا بھی بنے گی اور آخرت بھی۔ کش مکش حیات سے گریزاں نہ ہو اور حق و باطل کی جنگ میں حق کا علم بردار اور ظلم' باطل اور طاغوت سے ٹکر لینے کے لیے تیار ہو جائے۔ اللہ کے حقوق کے ساتھ بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام کرے اور ان میں سب سے بڑے حق--- ہدایت میں شرکت اور زندگی کی تاریکیوں کو اللہ کے نور سے منور کرنے کی سعی کرے۔ خیر کی طرف دعوت دے' نیکیوں کا حکم کرے اور برائیوں کو نیست و نابود کرنے کی جدوجہد کرے--- یہی وہ جدوجہد ہے جس میں بندہ قرآن کے پیغام کو ٹھیک ٹھیک سمجھ سکے گا' اور ہر قدم پر قرآن کو اپنا راہنما اور ساتھی پائے گا۔ قرآن جہاد مسلسل کی دعوت دیتا ہے اور یہ اس کے ہدایت ہونے کا لازمی اور منطقی تقاضا ہے۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور سنت میں قرآن کا یہی سراپا دیکھا جا سکتا ہے۔ غار حرا میں اللہ نے اپنے بندے کو جس ہدایت کا آغاز اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ (پڑھو اے نبیؐ ' اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا) کی شکل میں کیا تھا اور پھر قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (اٹھو اور خبردار کرو اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو) کے حکم سے اللہ کے باغیوں اور خود اپنے پیدا کرنے والے سے غافل ہو جانے والوں کو بیدار کرنے اور رب کی بندگی اور طاغوت سے بغاوت کے جس راستے کی طرف پوری انسانیت کو بلانے کی تحریک کا آغاز کیا تھا' وہی اللہ کی سنت 'اللہ کے رسولؐ کا طریقہ اور منبع ہے۔ قرآن کش مکش کی اس زندگی کے لیے راہنما' ہدایت اور نقشہ کار فراہم کرتا ہے۔ قرآن کی اس حقیقت کو سمجھے بغیر نہ اس سے استفادہ ممکن ہے اور نہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کو سمجھا اور قائم کیا جا سکتا ہے ؎

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

قرآن کا پیغام بڑا مختصر' بڑا واضح اور بڑا انقلاب آفریں ہے اور اگر دریا کو کوزے میں بند کیا جا سکتا ہے تو اس پیغام کو ایک جملے میں اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ کونوا عباداللّٰہ اے لوگو' اللہ کے بندے بن جاؤ۔

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ ۲:۲۱) لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے رب کی' جو تمھارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں' ان سب کا خالق ہے۔ تمھارے بچنے کی توقع اسی صورت سے ہو سکتی ہے۔

اہل کتاب کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کی زبان سے پوری انسانیت کو دعوت کے مرکزی نکتے کی

طرف بلاتا ہے۔ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ ۢ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ○ (اٰل عمرٰن ۳:۶۴) آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے تمھارے درمیان یکساں ہے۔ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ اس دعوت کو قبول کرنے سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلم (صرف خدا کی بندگی اور اطاعت کرنے والے) ہیں۔

قرآن و سنت کا اصل پیغام اور دعوت، اللہ اور صرف اللہ کی بندگی کا راستہ اختیار کرنا ہے جس کے لیے لازم ہے کہ عبودیت، ہدایت اور اطاعت سے ہر اس مرکز سے برأت کا اعلان ہو جو اللہ کا باغی ہو۔ جھوٹے خداؤں اور معبودوں کا انکار بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا ایک اللہ کا اقرار (لا الٰہ الا اللہ) اور اسی کی تشریح قرآن میں بار بار کی گئی ہے کہ:

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ؕ وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (البقرہ ۲:۲۵۶) جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ (جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَی اللّٰہُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ (النحل ۱۶:۳۶) ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیج دیا اور اس کے ذریعے سے سب کو خبردار کر دیا کہ اللہ کی بندگی اختیار کرو اور طاغوت کی بندگی سے بچو--- اس کے بعد ان میں سے کسی کو اللہ نے ہدایت بخشی اور کسی پر ضلالت مسلط ہو گئی۔ وَالَّذِیْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ یَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْا اِلَی اللّٰہِ لَهُمُ الْبُشْرٰی ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰہُ وَاُولٰٓئِکَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (الزمر ۳۹:۱۷-۱۸) جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا ان کے لیے خوش خبری ہے۔ پس (اے نبیؐ) بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور اس کے لیے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند۔

قرآن کی دعوت کا اصل ہدف اللہ کے بندوں کو صرف اللہ کی بندگی کی طرف بلانا ہے اور اطاعت اور بندگی ان تمام سلسلوں کو پاش پاش کرنا ہے جن میں انسان گرفتار رہے ہیں خواہ وہ نفس اور اپنی خواہشات کی بندگی ہو یا دوسرے انسانوں، اقتدار کے سرچشموں اور اربابًا من دون اللّٰہ کی اطاعت اور ان کے آگے سپردگی۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۙ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ ○ (البینۃ ۹۸:۵) اور ان لوگوں کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ اللہ کی بندگی کریں، اپنے دین کو اس کے لیے خالص کر کے، بالکل یکسو ہو کر، اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں اور یہی نہایت صحیح و درست دین ہے۔

قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ○ وَاُمِرْتُ لِاَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ الْمُسْلِمِيْنَ ○ (الزمر ۳۹:۱۱-۱۲) (اے نبیؐ) ان سے کہو، مجھے حکم دیا گیا ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اس کی بندگی کروں، اور مجھے حکم دیا گیا کہ سب سے پہلے خود مسلم بنوں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (یوسف ۱۲:۴۰) فرماں روائی کا اقتدار اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اس کا حکم ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔ یہی ٹھیک اور سیدھا طریق زندگی ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

قرآن کا پیغام بہت صاف اور واضح ہے۔ حکم، بندگی اور اطاعت صرف اللہ کے لیے ہے۔ کوئی اور کسی درجے میں بھی اس کا سزاوار نہیں۔ اللہ کی بندگی کا دعویٰ اور غیراللہ کی اطاعت اور اللہ کے باغیوں کے طریقوں، قوانین اور روایات کی پیروی ساتھ ساتھ نہیں چل سکتے۔ یہ تضاد اور تناقض ہے جس سے ایک مسلمان کی زندگی کو پاک ہونا چاہیے۔ قرآن انسان کو تمام آستانوں سے کاٹ کر صرف ایک اللہ کی بارگاہ میں سجدے کی تعلیم دیتا ہے اور انسان کی پوری زندگی کو اللہ کے رنگ میں رنگنے کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ کے بندوں کے بارے میں بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دوعالم سے خفا میرے لیے ہے

قرآن و سنت اپنے ماننے والوں کی زندگی کو دو رنگی اور منافقت سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں۔ قرآن کا مطالبہ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (البقرہ ۲:۲۰۸) اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں آجاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (البقرہ ۲:۸۵) تو کیا تم

کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصے کے ساتھ انکار کی روش اختیار کرتے ہو۔ پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیے جائیں؟ اللہ ان حرکات سے بے خبر نہیں جو تم کر رہے ہو؟

زبان سے اقرار اور عمل سے انکار بھی بندگی اور اطاعت شعاری سے مطابقت نہیں رکھتا۔ قرآن کا صاف اعلان ہے کہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَاللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ○ (الصف ۶۱:۲-۳) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم کیوں وہ بات کہتے ہو جو کرتے نہیں؟ اللہ کے نزدیک یہ سخت ناپسندیدہ حرکت ہے کہ تم کہو وہ بات جو کرتے نہیں۔

ایمان اور عمل صالح ایک ہی سکے کے دو رخ اور ایک ہی تصویر کے دو پہلو ہیں۔ قول و فعل کا تضاد یا اللہ کے احکام میں رد و قبول کی روش کفر اور منافقت کی شکلیں ہیں، اہل ایمان کا طریقہ نہیں۔ قرآن کا پیغام تو یہی ہے کہ خدا کے مخلص بندے بن جاؤ، اس کی اطاعت کو اپنا شعار بنا لو اور اس طرح صبغة اللّٰه میں یک رنگ ہو جاؤ کہ تمھیں دیکھ کر لوگ پکار اٹھیں کہ یہ ہیں عباد الرحمٰن۔

قرآن و سنت سے جن کا رشتہ ایمان، اخلاص اور وفاداری کا ہے وہ زندگی کا جو اسلوب اختیار کرتے ہیں اسے قرآن ربانیون (اللہ والوں) کے پیار بھرے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ یہ بندے اور اللہ کے درمیان ایک گہرے اور قریبی رشتے کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ ہر آستانے کو چھوڑ کر اپنے رب حقیقی کے دامن کو تھامنے والے ہیں، اسی کی رضا کے متوالے، اسی کے احکام کے پابند، اور اسی کی خوشنودی کے طالب۔ جن باتوں سے وہ خوش ہو ان کے لیے حریص، جن امور سے وہ ناخوش ہو، ان سے اجتناب اور نفرت، ان کا طریقہ ہے۔ ہر کام اور ہر معاملے میں اللہ کی یاد اور اس کی رضا کی تلاش، ان کا وظیرہ ہے۔ ان کی جو تصویر قرآن پیش کرتا ہے وہ کتنی حسین اور دل کش ہے۔ اللہ کا نبی ان کو رب کا بندہ بننے کی دعوت دیتا ہے۔

كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ○ (اٰل عمرٰن ۳:۷۹) (اے لوگو) سچے ربانی بنو جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضا ہے جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔

ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۡ سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ (الفتح ۴۸:۲۹) وہ کفار پر سخت اور آپس میں رحیم ہیں، تم جب دیکھو گے انھیں رکوع و سجود اور اللہ کے فضل اور خوشنودی کی طلب میں مشغول پاؤ گے۔ سجود کے اثرات ان کے چہروں پر موجود ہیں جن سے وہ الگ پہچانے جاتے ہیں۔

وہ جو کام بھی کرتے ہیں صرف رب کی رضا کے لیے کرتے ہیں۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰیۚ وَلَسَوْفَ یَرْضٰی ○ (اللیل ۹۲:۲۰-۲۱) وہ تو صرف اپنے رب برتر کی رضا جوئی کے لیے یہ کام کرتا ہے اور ضرور وہ (اس سے) خوش ہوگا۔

اہل ایمان کی محبت کا مرکز و محور ان کا رب ہوتا ہے: وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ط (البقرہ ۲:۱۶۵) اور جو اہل ایمان ہیں وہ سب سے زیادہ اللہ سے محبت رکھنے والے ہیں۔

ان کی دعا اور کوشش یہی ہوتی ہے۔ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (النمل ۲۷:۱۹) اے میرے رب! مجھے قابو میں رکھو کہ میں تیرے اس احسان کا شکر ادا کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیا ہے اور ایسا عمل صالح کرو جو تجھے پسند آئے اور اپنی رحمت سے مجھ کو اپنے صالح بندوں میں داخل کر۔

ان کی کوشش تو یہ ہوتی ہے کہ نیکیوں کے حصول کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کریں (سابقوا فی الخیرات) اور بعض کے لیے ہدف اور نمونہ مالک کا یہ ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ لا اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ○ وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَکَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ص وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ص وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَا فَعَلُوْا وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (آل عمرٰن ۳:۱۳۳) دوڑ کر چلو اس راہ پر جو تمھارے رب کی بخشش اور اس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے اور وہ ان خداترس لوگوں کے لیے مہیا کی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں خواہ بدحال ہوں یا خوش حال' جو غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں۔ ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں--- اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کرکے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انھیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے قصوروں کی معافی چاہتے ہیں۔ کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہو--- اور وہ کبھی دانستہ اپنے کیے پر اصرار نہیں کرتے۔

یہ ہوتی ہے ربانیوں کی کیفیت دل اور یہ ہے ان کا طریقہ--- یہ وہ طریقہ ہے جس کے قرآن و سنت داعی ہیں۔ اللہ سے محبت' اس کی رضا کی طلب' اس کی جنت کا شوق' اس کے عذاب سے پناہ کی سعی و جہد' اس کے بندوں کی خدمت' خطا پر ندامت اور رب سے مغفرت اور عفوودرگزر کی التجا اور تڑپ۔

اس دل پہ خدا کی رحمت ہو جس دل کی یہ حالت ہوتی ہے
اک بار خطا ہو جاتی ہے' سو بار ندامت ہوتی ہے

ربانیوں کی جو تصویر قرآن و سنت میں نظر آتی ہے اس کا کوئی تعلق رہبانیت اور ترک دنیا سے نہیں۔ اللہ والے تو اللہ کے بندوں کے درمیان زندگی گزارتے ہیں۔ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی دنیوی ضرورتوں کو بھی پورا کرتے ہیں اور ان کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے بھی سرگرم عمل رہتے ہیں۔ (یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا وَّقُوْدُھَا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ التحریم ۶۶:۶) اے لوگو' جو ایمان لائے ہو' بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن محض انسان اور پتھر ہوں گے۔ صلہ رحمی اور انسانوں سے شفقت اور محبت ان کا شعار ہوتا ہے۔ امام رازی نے معروف کی تشریح حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں اس طرح کی ہے التعظیم لامر اللّٰہ والشفقۃ علی خلق اللّٰہ یعنی خدا کے احکام کی تعظیم اور خدا کی مخلوق پر شفقت اللہ والوں کی اصل شان ہے۔ وہ نہ زندگی کی مشکلات سے کنارہ کش ہوتے ہیں اور نہ ظلم اور فساد کے آگے ہتھیار ڈالتے یا ان سے سمجھوتہ کرتے ہیں۔ ان کی روش امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ہوتی ہے اور ظلم' فسق' ناانصافی اور فساد کے خلاف جہاد ان کی نگاہ میں رضائے الٰہی کے حصول کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا تزکیہ قلب کے لیے اذکار واوراد۔ اس لیے کہ اس قرآن کا حکم ہے کہ:

قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآءُکُمْ وَاَبْنَآءُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ ط وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ○ (التوبہ ۹:۲۴) اے نبیؐ کہہ دو کہ اگر تمھارے باپ' تمھارے بیٹے اور تمھارے بھائی اور تمھاری بیویاں اور تمھارے عزیز واقارب اور تمھارے وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور تمھارے کاروبار جن کے ماند پڑ جانے کا تم کو خوف ہے اور تمھارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں' تم کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ تمھارے سامنے لے آئے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

نیکی اور تقویٰ کے معاملات میں تعاون اور گناہ اور زیادتی کی صورت میں عدم تعاون قرآن کا واضح حکم ہے۔ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ص وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط (المائدہ ۵:۲) جو کام نیکی اور خدا ترسی کے ہیں ان میں سب سے تعاون کرو اور جو گناہ اور زیادتی کے کام ہیں ان میں کسی سے تعاون نہ کرو۔

قرآن ان لوگوں کی اطاعت سے روکتا ہے جو اللہ کی حدود کو توڑنے والے اور زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں۔ وَلَا تُطِیْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِیْنَ ○ الَّذِیْنَ یُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ وَلَا یُصْلِحُوْنَ ○ (الشعرا ۲۶:۱۵۱-۱۵۲) ان بے لگام لوگوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور کوئی اصلاح نہیں کرتے۔

اس طرح خود اللہ کے رسولؐ کو اللہ کے نافرمانوں کی بات ماننے سے روکا گیا ہے۔ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ○ (الدھر ۷۶:۲۴) تم اپنے رب کے حکم پر صبر کرو اور ان میں سے کسی بدعمل یا منکر حق کی بات نہ مانو۔

قرآن جس طرز زندگی کی دعوت دیتا ہے وہ حق پرستی اور انصاف پروری کی زندگی ہے اور یہی چیز اسوہ محمدیؐ اور سنت نبویؐ کو روایتی مذہب سے مختلف بناتی ہے۔ غارحرا کی خانقاہ میں جو پیغام اللہ کے رسولؐ کو ملا وہ دنیا کو اللہ کی ہدایت کے مطابق بدلنے اور انسانی زندگی اور تہذیب عالم کی نئی شیرازہ بندی کا تھا، خلوت نشینی اور ترک دنیا کا نہیں۔ اللہ نے قرآن کی شکل میں اپنے نبیؐ کو ایک نسخہ کیمیا سے نوازا جس سے اس نے انسانیت کے امراض کا علاج کیا اور ایک خداشناس انسان، محافظ عصمت خاندان، اور ایک انصاف پر مبنی معاشرے اور ریاست کے قیام کی جدوجہد کا آغاز کیا۔

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

گویا

ولایت، پادشاہی، علم اشیا کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں؟ فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں

یہ انسان اور معاشرے کا نیا ماڈل اور نمونہ ہے جو قرآن اور سنت نبویؐ نے عالم انسانیت کے لیے پیش کیا۔ اس کی بڑی حقیقت پسندانہ عکاسی ایک رومی سیاح نے مسلمانوں کے اولیں دور کا بچشم سر نظارہ کر کے ایک جملہ میں یوں کی تھی کہ رھبان فی اللیل و فرسان فی النھار... یعنی یہ مسلمان رات کو راہب معلوم ہوتے ہیں کہ اللہ کی عبادت میں مشغول ہوتے ہیں اور دن کو یہ شہسوار بن جاتے ہیں اور اپنے نیزے بھالے درست کرتے ہیں۔

قرآن و سنت کے پیغام کا سب سے نمایاں پہلو ہی یہ ہے کہ اس نے فرد اور جماعت کی اخلاقی اور روحانی اصلاح و ترقی کو خیر کے فروغ، نیکیوں کے قیام اور انسانی معاشرے کو برائیوں سے پاک کرنے کا ذریعہ بنایا۔ ایمان کی بنیاد پر ایک جماعت اور قوم کو وجود بخشا، زندگی کے پورے نقشے کو اللہ کی ہدایت اور قانون کے تابع کیا۔ شریعت کی رہنمائی صرف عقاید، عبادات اور ذاتی اخلاق تک محدود نہیں ہے بلکہ تجارت، معاشرت، سیاست، مالیات، اجتماعیت، عالم گیریت سب پر حاوی ہے۔ قرآن و سنت جہاں عقائد اور عبادات کی تصحیح و تعین کی خدمت انجام دیتے ہیں وہیں انسانی زندگی کے ہر پہلو اور تہذیب و ثقافت کے ہر معاملے

کی بھی حنابندی کرتے ہیں اور اس طرح انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر شعبہ نور ہدایت سے منور ہو جاتا ہے۔

قرآن تاریخ انسانی کی وہ واحد کتاب ہے جس نے انسان کا ایک نیا نمونہ ہی تیار نہیں کیا بلکہ عقیدے کی بنیاد پر ایک قوم اور ایک معاشرہ' ایک ریاست' ایک نئی تہذیب کو بھی قائم کیا جس نے انسانی تاریخ کے نقشے کو بدل کر رکھ دیا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن محض ایک کتاب نہیں' ایک دعوت اور پیغام ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کی بنیاد پر ایک امت قائم کی جو تاقیامت اس مشن کے لیے جدوجہد کرتی رہے گی جو اس کا مقصد وجود ہے۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (البقرہ ۲:۱۴۳) اور اسی طرح ہم نے مسلمانوں کو ایک امت وسط بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ رہو اور رسول تم پر گواہ ہو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (آل عمران ۳:۱۱۰) اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے' تم نیکی کا حکم دیتے ہو' بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

یہ ہے اس امت کا مشن' یہ ہے ہر مسلمان کا نصب العین' قرآن و سنت کا اصل پیغام ہی یہ ہے کہ اللہ کے بندے بنو' اللہ کے دین کو انسانیت تک پہنچانے کے لیے سرگرم عمل ہو جاؤ' اپنے اخلاق' اپنی انفرادی زندگی اور کردار اور اپنے اجتماعی نظام کی شکل میں بہترین نمونہ پیش کرو۔ اللہ کے تمام بندوں کو اللہ کی اطاعت و بندگی کے راستے کی طرف بلاؤ۔ فساق و فجار کے ظلم و طغیان سے انسانیت کو نجات دلانے کے لیے سردھڑ کی بازی لگادو۔ اسی جدوجہد کا نام جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس کے لیے دنیا میں سب کچھ لگا دینا مسلمان کی معراج اور اس کی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ○ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا ؕ نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ○ (الصف ۶۱:۱۰-۱۳) اے لوگو' جو ایمان لائے ہو' میں بتاؤں تم کو وہ تجارت جو تمھیں عذاب الیم سے بچادے؟ ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ؐ پر' اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے۔ یہی تمھارے لیے بہتر ہے اگر تم جانو۔ اللہ تمھارے گناہ معاف کر دے گا اور تم کو ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور

ابدی قیام کی جنتوں میں بہترین گھر تمھیں عطا فرمائے گا۔ یہ ہے بڑی کامیابی--- اور وہ دوسری چیز جو تم چاہتے ہو وہ بھی تمھیں دے گا، اللہ کی طرف سے نصرت اور قریب ہی حاصل ہونے والی فتح۔ اے نبیؐ اہل ایمان کو اس کی بشارت دے دو۔

قرآن کا پیغام، رب کی بندگی اور رب کی رضا کے لیے اس کے دین کے غلبے اور اس کے بندوں کو طاغوت کی غلامی سے نجات دلانے کے لیے دعوت اور جہاد ہے۔ قرآن و سنت ہمیں اس مشن کی طرف بلا رہے ہیں اور ہر سمت سے یہ پکار آرہی ہے یاایھا الذین امنوا کونوا انصار اللّٰہ اے ایمان والو، اللہ کے مددگار بن جاؤ--- اس پکار کا ایک ہی جواب ہے--- نحن انصاراللّٰہ ہم ہیں اللہ کے مددگار!

پوری دنیا میں اسلامی تحریکات نے اس پکار پر لبیک کہتے ہوئے یہی جواب دیا ہے اور اپنے رب سے کیے ہوئے عہد کو پورا کرنے کے لیے جان اور مال کی بازی لگا دی ہے۔ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ:

ہرگز نہیں! قسم اللہ کی تم ضرور معروف کا حکم دو اور ضرور منکر سے روکو۔ ظالم کا ہاتھ لازماً پکڑ لو اور اس کو ضرور حق کی طرف پھیر دو (ابوداود، کتاب الملاحم)۔

اس دعوت کا خلاصہ جماعت اسلامی کے بانی امیر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے ان الفاظ میں قیام جماعت کے وقت بیان کیا تھا اور یہی آج بھی ہمارا اور پوری امت مسلمہ کا نصب العین اور ہدف ہے۔

۱- یہ کہ ہم بندگان خدا کو بالعموم اور جو پہلے سے مسلمان ہیں ان کو بالخصوص اللہ کی بندگی کی دعوت دیتے ہیں۔

۲- یہ کہ جو شخص بھی اسلام قبول کرنے یا اس کو ماننے کا دعویٰ یا اظہار کرے اس کو ہم دعوت دیتے ہیں کہ وہ اپنی زندگی سے منافقت اور تناقض کو خارج کر دے اور جب وہ مسلمان ہے، بنا ہے، تو مخلص مسلمان بنے اور اسلام کے رنگ میں رنگ کر یک رنگ ہو جائے۔

۳- یہ کہ زندگی کا نظام، جو آج باطل پرستوں اور فساق و فجار کی رہنمائی اور قیادت و فرماں روائی میں چل رہا ہے اور معاملات دنیا کے نظام کے زمام کار جو خدا کے باغیوں کے ہاتھ میں آگئی ہے ہم یہ دعوت دیتے ہیں کہ اسے بدلا جائے اور رہنمائی و امامت نظری و عملی دونوں حیثیتوں سے مومنین و صالحین کے ہاتھ میں منتقل ہو۔ (دعوت اسلامی اور اس کے مطالبات، ص ۱۳-۱۴)

پاکستان اور امت مسلمہ ہی نہیں پوری انسانیت کی نجات کا انحصار بندگی رب کی اس دعوت کی کامیابی پر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ (حٰم السجدہ ۴۱:۴۱)

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے

—— یعنی اٹل ہے......

اس میں

—— صداقت کا زور ہے

—— علمِ حق کا زور ہے

—— دلیل و حجّت کا زور ہے

—— زبان اور بیان کا زور ہے

—— بھیجنے والے خدا کی خدائی کا زور ہے' اور

—— پیش کرنے والے رسولؐ کی شخصیّت کا زور ہے۔

(تفہیم القرآن 'ج۴'ص۴۶۳)

اسے سمجھ کر پڑھیے۔

اس کے ساتھ تعلق کو زندہ کیجیے' روز کا تعلق بنائیے!

کیسے ممکن ہے کہ آپ اس کے ساتھ نہ بہیں۔

(خیر خواہ)

حکمت مودودیؒ

تاریخ کا مطالعہ' اسلامی نقطۂ نظر

تاریخ دراصل انسانیت کا حافظہ ہے جو نہ صرف قوموں اور جماعتوں کے بلکہ کل نوع انسانی کے پچھلے تجربات کا دفتر محفوظ رکھ کر انسان کے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ ان تجربات کی روشنی میں انسان اپنے حال کا جائزہ لے اور اپنے مستقبل کو آزمودہ بھلائیوں سے درست اور آزمودہ برائیوں سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرے۔ اس دفتر میں مختلف نمایندہ شخصیتوں' اداروں' قوموں اور جماعتوں کے کارنامے ایک مربوط اور مسلسل طرزِ عمل کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتے ہیں جنھیں دیکھ کر ہم ان کی نفسیات' ان کی افتاد مزاج اور ان کی طینت کو سمجھ سکتے ہیں تاکہ آیندہ ان کے ساتھ ہم ایک اجنبی کی طرح نہیں بلکہ واقف کار کی طرح معاملہ کر سکیں۔ یہ دفتر اجتماعی زندگی کے لیے مدارج کے اعتبار سے بہت زیادہ مگر نوعیت کے لحاظ سے وہی اہمیت رکھتا ہے جو فرد واحد کی زندگی میں اس کے حافظے کو حاصل ہے۔ اگر ایک فرد واحد کا حافظہ اس سے سلب کر لیا جائے تو وہ پے در پے غلطیاں کرے گا یہاں تک کہ اپنی غلطیوں کا خود شکار ہو کر رہ جائے گا۔ اگر کسی شخص کی گذشتہ زندگی کا ریکارڈ ہمارے سامنے نہ ہو تو ہم اس کے متعلق صحیح رائے نہ قائم کر سکیں گے اور نہ اس کے متعلق اپنے طرزِ عمل کا صحیح فیصلہ کر سکیں گے۔ بالکل یہی صورت جماعتی زندگی کی بھی ہے۔ اگر ہم نوع انسانی کے اور خود اپنے اور ان قوموں اور اداروں کے جن سے ہمیں سابقہ پیش آتا ہے' پچھلے ریکارڈ سے واقف نہ ہوں تو ہماری اجتماعی زندگی غلط کاریوں اور غلط اندیشیوں کا مجموعہ بن کر رہ جائے گی۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم "دفترِ پارینہ" کے اوراق کا کبھی کبھی نہیں بلکہ بار بار جائزہ لیتے رہیں۔

مطالعہ تاریخ کے طریقے: تاریخ کے اس دفتر کا جائزہ لینے کے لیے تین نقطۂ نظر ممکن ہیں۔ ایک نقطۂ نظر محض معروضی مطالعے کا ہے' یعنی واقعات اور حالات جیسے کچھ بھی گزرے ہیں' ان کو جوں کا توں دیکھا جائے۔ دوسرا نقطۂ نظر قوم پرستانہ مطالعے کا ہے' یعنی ہم واقعات کو اس نسل یا اس قوم یا اس ملک کی حمایت کے جذبے سے دیکھیں جس سے ہمارا تعلق ہے' اسی لحاظ سے نتائج اخذ کریں اور اسی لحاظ سے اشخاص اور اقوام کے متعلق رائے قائم کریں۔ تیسرا نقطۂ نظر مقصدی اور اصولی ہے' یعنی ہم نسلی اور قومی تعصبات سے بالاتر ہو کر مجرد انسانی فلاح و سعادت کو مقصود ٹھہرا کر اور نیک و بد کا ایک بے لاگ معیار سامنے رکھ کر نسل انسانی اور اس کے مختلف

اجزا کے کارناموں کو جانچیں اور بے لاگ ہی رائے قائم کریں۔

ان میں پہلا نقطۂ نظر خالص مؤرخانہ ہے اور اس حیثیت سے مفید ہے کہ اس طرح کے مطالعے سے صحیح واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں مگر بجائے خود مفید نہیں۔ دوسرے نقطۂ نظر میں بڑی جاذبیت ہے۔ بلامبالغہ تاریخ کے ۹۸ فی صدی طالب علموں کو اس نقطۂ نظر کی جاذبیت اپنی طرف کھینچ لیتی ہے کیونکہ ہر طالب علم بہرحال کسی نہ کسی نسل، قوم یا ملک سے تعلق رکھتا ہے اور اس کی خود غرضی وسعت اختیار کر کے بآسانی شخصی خود غرضی سے قومی خود غرضی میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ اپنے اور اپنی قوم ہی کے نقطۂ نظر سے تاریخ کا مطالعہ کرنے پر مائل ہوتا ہے۔ اس میں اسے فخرو ناز کے لیے چند بت مل جاتے ہیں جن کی پرستش کا نشہ اسے اور اس کی قوم کو ابھرنے میں مدد دیتا ہے۔ اور اسی میں اس کو نفرت اور عداوت کے لیے چند ہدف بھی مل جاتے ہیں جن پر اپنے جذبات غضب کو مرکوز کر کے وہ قومی وحدت، مقابلہ و مسابقت اور کامیابی و برتری کے مقاصد حاصل کرتا ہے۔ لیکن دنیا میں اکثر جھوٹ اسی مطالعے کی بدولت پھیلے ہیں۔ اکثر ظلم، اکثر بے انصافیاں، اکثر خون ریزیاں اور قومی و نسلی عداوتیں اسی کی بدولت برپا ہوئی ہیں۔ اکثر بروں کو اچھا، اکثر شیطانوں کو مرکز پرستش اسی مطالعے نے بنایا ہے۔ اکثر اچھوں کو برا اور اکثر نیکوکاروں کو لعن طعن کا ہدف اسی مطالعے کی بدولت ٹھیرایا گیا ہے۔ انسانیت کو مجروح کرنے اور زمین کو فساد سے بھرنے میں تاریخ کے اس طرز مطالعہ کا کچھ کم حصہ نہیں ہے۔ یہ مرض دنیا میں ترقی کر کے کچھ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اب قومی اغراض کے لیے تاریخیں گھڑی جاتی ہیں۔ جن قوموں کا ماضی کچھ نہ تھا، وہ ایک پورا ماضی اپنی خواہشات کے مطابق تصنیف کر کے رکھ دیتی ہیں۔ اور جن سے حال میں مقابلہ درپیش ہے ان کے ماضی کی تصویر کول تار سے منقش کر کے تیار کر لی جاتی ہے تاکہ نئی نسلوں میں ان کے خلاف بغض پیدا کیا جا سکے۔ رہا تیسری قسم کا مطالعہ تو وہ یقیناً سب سے بہتر ہے مگر اس کے صحیح و نتیجہ خیز ہونے کا انحصار دو باتوں پر ہے۔ ایک یہ کہ بجائے خود انسانی فلاح و سعادت کا نظریہ درست اور نیک و بد کا معیار صحیح ہو۔ دوسرے یہ کہ واقعات جن پر استدلال کی عمارت اٹھائی جاتی ہے، معروضی مطالعے کے ذریعے سے اخذ کیے گئے ہوں نہ کہ اپنے نظریے کو سامنے رکھ کر ان کو ایک خاص سانچے میں ڈھال لیا گیا ہو۔

اسلامی نقطہ نظر: اسلام چونکہ کسی خاص قومیت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مسلک ہے جو مطلقاً انسان اور اس کی سعادت سے تعلق رکھتا ہے اور ان تعصبات سے اس کو کسی قسم کی دل چسپی نہیں ہے جو انسانوں کی نسلی، قومی اور جغرافیائی تقسیمات سے پیدا ہوتے ہیں، لہٰذا تاریخ میں اس نے یہی آخری رویہ اختیار کیا ہے۔ اگر ایک مسلمان صحیح اسلامی ذہنیت کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کرے تو اس کا فرض یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو، وہ واقعات کو جیسے کہ وہ فی الواقع گزرے ہیں بلاکسی تعصب کے جوں کا توں سامنے رکھے اور پھر اسلام نے جو معیار حق و باطل اس کو دیا ہے، اس کے مطابق اشخاص، اقوام اور اداروں کے رویوں کو جانچ کر بے لاگ

نتائج اخذ کرے۔ غلطی جہاں بھی ہو' کوتاہی جہاں بھی پائی جائے' اسے بے تکلف وہیں انگلی رکھ دینی چاہیے اور کھوج لگانا چاہیے کہ اس کی پیدایش کے اسباب کیا ہیں اور اس نے انسانی فلاح و سعادت پر کیا اثر ڈالا ہے' کتنا اور کس طرح اثر ڈالا ہے؟ اسی طرح خوبی جہاں اور جس میں بھی نظر آئے' بے تکلف اس کا ادراک کرنا چاہیے اور اس کے مفید نتائج یا غیر نتیجہ خیز رہ جانے کے اسباب کا سراغ لگانا چاہیے۔ ٹھیک ٹھیک یہی رویہ ہے جو قرآن میں سوانح اشخاص اور تاریخ اقوام سے بحث و استدلال کرتے وقت اختیار کیا گیا ہے۔

تاریخ کے باب میں یہ اسلام کا مسلک ہے اور مسلمان کا بھی یہی مسلک ہونا چاہیے۔ لیکن بدقسمتی سے تاریخی اور تہذیبی اسباب نے مسلمانوں کو ایک خیالی جماعت کے بجائے ایک نسلی و تہذیبی قومیت میں تبدیل کر دیا ہے اور دنیا کی دوسری قوموں کا طرز عمل دیکھ دیکھ کر ان کے اندر بھی قوم پرستی کا جذبہ ابھر رہا ہے۔ اس لیے مسلمان اب عموماً تاریخ میں وہی قوم پرستانہ نقطۂ نظر اختیار کرتے جا رہے ہیں جس کا میں نے اوپر ذکر کیا ہے۔ وہ اپنی پچھلی تاریخ کا جائزہ اب اس غرض کے لیے لینے لگے ہیں کہ فخر کرنے کے لیے انھیں کچھ ہیرو درکار ہیں' پرستش کرنے کے لیے کچھ بتوں کی ضرورت ہے' مقابلہ و مسابقت اور جدوجہد کے میدان میں پیش قدمی کرنے کے لیے کچھ قومی تفاخر کا نشہ اور کچھ قومی عداوت کا غصہ مطلوب ہے۔ اسی جنس کے جذبات میں سے ایک جذبہ یہ بھی ہے کہ پچھلے زمانوں کے مسلمان' اشخاص یا گروہوں کو بے عیب' مجسمہ فضائل' مجموعہ کمالات اور مثالی شخصیتوں کا مالک ثابت کیا جائے' خواہ اس کا نتیجہ یہی کیوں نہ ہو کہ اس طرح ان کی حقیقی کوتاہیوں کا پشتارہ اسلام کے سر پر رکھ کر ہم نادانستگی میں اسلام کی پوزیشن دنیا کے سامنے غلط طور پر پیش کرنے کا سبب بن جائیں۔

یہ طرز عمل اپنی اصل و بنیاد کے اعتبار سے بالکل غیر اسلامی ہے۔ اسلام اس جذبہ ہی کی قدر کرنے سے انکار کرتا ہے جس کی تحریک پر یہ ساری کاوشیں کی جاتی ہیں۔ مگر قوم پرستی جب "مسلم قوم پرستی" کی شکل میں ظہور کرتی ہے' جب غیر مسلموں کے بجائے مسلمانوں کی حمایت اور مسلمانوں کو سراہنے اور ان کا بول بالا کرنے کا معاملہ درپیش ہوتا ہے' تو عیب' صواب بن جاتا ہے اور گناہ' نیکی بن کر رہ جاتا ہے۔ اس معاملے میں حق کو باطل سے ممتاز کرنا اور اسلام کی بے لاگ راستی پر قائم رہنا بڑی بڑی بلند پایہ روحوں کے لیے بھی مشکل ثابت ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ وطنی قوم پرستی کی برائی تو تھوڑے استدلال سے ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی ہے مگر "مسلم قوم پرستی" جو اپنی اصل روح کے اعتبار سے بعینہ اسی نوعیت کی چیز ہے' مشکل ہی سے کسی کو غلط محسوس ہوتی ہے (تذکرہ سید مودودی' ج ۲' ص ۷۳۹-۷۴۲۔ شخصیات' مرتب: سمیع اللہ بٹ' خالد ہمایوں' ص ۱۷۳-۱۷۷)۔

فہم حدیث

کلام نبویؐ کی کرنیں

مولانا عبدالمالک

حضرت صفوان بن عسالؓ سے روایت ہے:
میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی جناب میں حاضر ہوا۔ آپؐ اپنی سرخ چادر پر تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ میں نے (سلام کے بعد) عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں علم کی طلب میں آیا ہوں۔
آپؐ نے فرمایا: میں طالب علم کو مرحبا کہتا ہوں۔ طالب علم کو فرشتے اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں۔ پھر' ایک کے اوپر دوسرا سوار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ فرشتوں کی یہ قطار آسمان دنیا تک جا پہنچتی ہے' اس علم کے ساتھ اظہار محبت کی وجہ سے' جس کی وہ طلب کرتا ہے (احمد' طبرانی)۔

اگر ہماری حکومت اور ذرائع ابلاغ دینی تعلیمات کو اجتماعی زندگی سے بے تعلق نہ کریں بلکہ ملکی پالیسیاں دینی تعلیمات کے مطابق اور ان کی عکاس ہوں' نظام تعلیم قرآن و سنت پر مبنی ہو--- آخرت اور اجر کی گفتگو کو کاروبار سلطنت سے الگ نہ رکھا جائے بلکہ اسی کی بنیاد پر استوار کیا جائے--- تو اس طرح کی احادیث کے ہوتے ہوئے' ہمارے عوام کی' مردوں اور عورتوں کی اکثریت دین اور دیگر ضروری امور سے جہالت میں کیوں غرق رہے! ان میں شوق ہو' شوق پورا کرنے کے لیے اقدامات اور تدابیر ہوں تو تعلیم عامہ کی رقوم ضائع نہ ہوں' بلکہ ان میں برکت ہو' لاکھوں سے کروڑوں کا کام ہو۔

O

حضرت انسؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں:
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔ ہم نے دیکھا کہ اچانک آپؐ ہنس پڑے اور آپؐ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ' میرے ماں باپ آپؐ پر قربان! کس چیز نے آپؐ کو ہنسا دیا؟ آپؐ نے فرمایا: میری امت کے دو آدمی اللہ رب العزت کے سامنے دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ ان میں سے ایک نے درخواست کی: "پروردگار! میرا حق میرے اس بھائی سے مجھے لے کر دیجیے"۔ اللہ نے فرمایا: اپنے بھائی سے ایسا سلوک کیسے کر رہے ہو' جب کہ اس کے پاس تو کوئی نیکی

باقی نہیں رہی۔ اس نے عرض کیا: پروردگار! میرے گناہ اس پر ڈال دیجیے۔ پھر (یہ کلمات بیان کرتے ہوئے) آپؐ رو پڑے اور آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ پھر آپؐ نے فرمایا: یہ بڑا ہولناک دن ہوگا۔ یہ وہ دن ہوگا کہ لوگ اس بات کے محتاج ہوں گے کہ ان کے بوجھ دوسرے اٹھالیں (اسی لیے مستغیث یہ مطالبہ کرے گا)۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا حق مانگنے والے سے فرمایا: اپنی نظریں اوپر اٹھا کر ان محلات کی طرف دیکھو! اس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور عرض کیا: پروردگار! یہ تو سونے کے شہر اور سونے کے محلات ہیں جو موتیوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ پروردگار! یہ کس نبی کے، کس صدیق کے، اور کس شہید کے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ اس کے ہیں جو اس کی قیمت ادا کرے۔ اس نے عرض کیا: پروردگار! اس کی قیمت ادا کرنا کس کے بس میں ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تیرے بس میں ہے! عرض کیا: کس طرح؟ فرمایا: اپنے بھائی کو معاف کرنے کے ذریعے۔ اس نے عرض کیا: پروردگار! میں نے اسے معاف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اپنے بھائی کا ہاتھ پکڑو اور اسے جنت میں داخل کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت فرمایا: اللہ سے تقویٰ اختیار کرو، اپنے باہمی تعلقات درست کرو، اس لیے کہ اللہ بھی مسلمانوں کے درمیان صلح کراتے ہیں (حاکم، بیہقی)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے اور مظلوم کا ظالم کو معاف کرنے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر جنت میں داخل کرنے کا یہ عجیب و غریب منظر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلایا گیا۔ ذرا غور کیجیے کہ اللہ کی بے نیاز ذات بندوں پر کتنی مہربان ہے۔ بندہ، اللہ کی بندگی میں مخلص ہو، عبادت گزار ہو، اور بشری کمزوری کی وجہ سے اس سے کسی بھائی کے ساتھ ظلم و زیادتی ہو گئی ہو، تو اللہ تعالیٰ اپنے اس مخلص بندے پر اپنی مہربانی اس شکل میں کریں گے کہ اسے مظلوم بھائی سے معافی دلوا دیں گے اور معافی دینے والے کو بے حد و حساب اجر سے نوازیں گے۔

روز مرہ معاملات میں معاف کرنے کی روش کی بڑی عظمت ہے۔ قرآن بھی معاف کرنے کو، قصاص لینے کے مقابلے میں بلند تر قرار دیتا ہے۔ معاف کرنے پر اتنا اجر ہے، اتنا اجر ہے کہ بدلہ لینا، اور یوں اپنی انا کو تسکین دینا بہت ہی حماقت اور چھوٹی بات لگتی ہے۔ اہل خانہ کو، اعزہ و اقارب کو، دوستوں کو، ساتھیوں کو، دفتر میں ماتحتوں کو، افسروں کو، برابر معاف ہی کریں---- کوئی کیسی ہی زیادتی کرے، آپ کبھی حساب برابر کرنے کی فکر نہ کریں۔ جب آپ یوں فراخ دلی سے معاف کریں گے اور معافی جتا کر یا دوسروں سے بیان کر کے، اس کا اجر ضائع نہیں کریں گے، تو امید ہے کہ خود زیادتی کے مرتکب نہ ہوں گے اور دوسروں کے حقوق غصب بھی نہ کریں گے۔ یوں نہ صرف آخرت میں اللہ کی رضا سے ہم کنار ہوں گے بلکہ دنیا میں بھی اس کی برکات کا مشاہدہ کریں گے۔

○

حضرت حذیفہ بن اُسیدؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جو مسلمانوں کو ان کے راستوں میں تکلیف پہنچائے' اس پر ان کی طرف سے لعنت واجب ہو گئی (طبرانی)۔

کتنی سخت وعید ہے! راستے میں گندگی ڈالنا' چھلکے پھینکنا جس سے کوئی پھسل جائے' گڑھے کھود کر زمین خراب کر دینا' گٹر کے منہ کو کھلا چھوڑ دینا جس سے کوئی شخص گٹر میں گر جائے' یہ سب ایسی ایذائیں ہیں جن کا دینا ہمارے معاشرے میں عام ہے۔ عموماً ہمارا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ ان باتوں کی اخروی اہمیت بھی ہے۔ علاوہ اس کے کہ ان سے کسی کی جان بھی جا سکتی ہے' کوئی عمر بھر کے لیے معذور بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم ہے' وہ اس بات پر ناراض ہوتا ہے کہ اس کی رعیت کو تکلیف پہنچائی جائے۔ یہ گناہ ہیں' اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ موجب لعنت ہیں۔ ہر ایک یہ خیال رکھے کہ اس کی ذات سے کسی دوسرے کو ایذا نہ پہنچے' تو ایسے معاشرے میں زندگی کتنی پُرسکون ہو گی!

○

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی قرادؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں:
میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلا' جب کہ آپؐ قضائے حاجت کے لیے جا رہے تھے۔ آپؐ جب قضائے حاجت کے لیے جاتے تو بہت دور جاتے (نسائی)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے' فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
لعنت کی تین جگہوں سے بچو: پانی' رستہ اور سایہ دار جگہ میں قضائے حاجت سے (ابوداؤد)۔

اسلام شرم و حیا اور رحمت و راحت اور طہارت و نظافت کا دین ہے۔ اسلام میں انسانوں کو بلکہ مخلوق خدا کو ایذا پہنچانا ناروا ہے۔ راستے سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرنا ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اپنی ذات سے جو نمونہ پیش فرمایا ہے وہ بہت اعلیٰ ہے۔ آپؐ نے پانی' راستے اور لوگوں کے بیٹھنے کی جگہوں میں گندگی پھیلانے پر سخت وعید فرمائی ہے۔ ایسے آدمی پر یہ مقامات لعنت کرتے ہیں۔ نظافت کا اس سے بڑھ کر اور کیا اہتمام ہو سکتا ہے۔ مسلمانوں کو صفائی ستھرائی میں دوسروں سے آگے ہونا چاہیے کہ یہ ان کے دین کا تقاضا ہے اور اس میں انسانوں کی راحت ہے۔

○

حضرت ابوامامہؓ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
تین آدمی ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے ہر ایک کو اس بات کی ضمانت دی ہے کہ اگر وہ زندہ رہا تو اسے روزی دی جائے گی اور اس کی ضروریات پوری کی جائیں گی' اور اگر مر گیا تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا: جو اپنے گھر میں سلام کر کے داخل ہو تو اللہ اس کا ضامن ہے' جو مسجد کی طرف نکلا اللہ اس کا ضامن ہے' جو فی سبیل اللہ نکلا اللہ اس کا ضامن ہے (ابوداؤد' ابن حبان)۔

رجوع الی القرآن کی تحریک

مسلم سجاد

معاشرے کے گذشتہ چند برسوں کے مثبت رجحانات کا مطالعہ کیا جائے تو رجوع الی القرآن کی تحریک نمایاں طور پر سامنے آتی ہے۔ آج سے تقریباً ۷۰ سال قبل جب سید مودودی علیہ الرحمہ نے ماہنامہ ترجمان القرآن کی ادارت کا آغاز کیا تو پہلے اشارات میں پیش نظر کام "قرآن مجید کو اس کی اصل صورت میں پیش کرنا' اس کے حقائق و معارف کو اسی سیدھے اور صاف طریقے سے سمجھنا اور سمجھانا جس سے قرن اول کے سچے مسلمان سمجھتے اور سمجھاتے تھے" بیان کیا تھا۔ اس کام نے چند سال بعد جماعت اسلامی کی شکل اختیار کی' جس نے برعظیم کے مسلمانوں کو قرآن کے نقشے کے مطابق زندگی تعمیر کرنے کی دعوت دی۔

آج احیاے اسلام کی یہی وہ لہر ہے جس نے امت مسلمہ میں اپنے مستقبل پر یقین پیدا کیا ہے' امت کے مردوں اور عورتوں کے ایمان کو زندہ اور تازہ کیا ہے' اور حق و باطل کی کش مکش عالمی پیمانے پر برپا کر دی ہے۔ اس تحریک کا راہنما' اس کو زندگی' توانائی اور سمت دینے والا' اللہ تعالیٰ کی ذات ذوالجلال کا کلام ذی شان' یہ قرآن پاک ہے' جو ہم روزانہ نمازوں میں پڑھتے اور سنتے ہیں۔ اب امت مسلمہ اس کے مفہوم اور تقاضوں سے بھی واقف ہوتی جا رہی ہے۔

اگر ہم زوال اور نکبت میں مبتلا تھے' یا ہیں' تو اس کی وجہ اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ ہم قرآن سے دور ہو گئے ہیں۔ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا ○ (الفرقان ۲۵:۳۰)۔ جتنی جلد ہم من حیث القوم اس حقیقت کو جان لیں گے کہ ہمارے دنیاوی عروج اور اخروی فلاح کی شاہ کلید' رجوع الی القرآن ہے' اتنی ہی جلد ہم اپنی منزل کو پا سکیں گے۔

مقام شکر ہے کہ اجتماعی سطح پر قرآن سے تعلق میں اور اس کے اظہار میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ روزناموں میں صفحہ اول پر کوئی آیت' رسالوں میں آیات و احادیث کا لازمی صفحہ' ریڈیو صوت القرآن سے روزانہ کئی کئی گھنٹے' اور ٹی وی پر روزانہ ایک گھنٹہ باترجمہ تلاوت اور رات کو فرمان الٰہی توجہ کرنے والے قلب کے لیے ہدایت اور تذکیر کا بڑا سامان رکھتے ہیں۔ بہت سے لوگوں نے ان سہولتوں کے بعد تلاوت

سننے کو معمول بنالیا ہے، قرآن سے تعلق پیدا کیا ہے، اور پھر قرآن نے ان کی زندگی پر اثرات ڈالے ہیں۔ ٹی وی پر ڈھائی ماہ میں قرآن مجید کے تمام مضامین دلوں کو ہلا دینے والے پر زور انداز میں نظر سے گزرتے ہیں اور ذہن میں تازہ ہوتے ہیں۔ پھر بار بار تذکیر ہوتی رہتی ہے۔

ایسا وقت بھی تھا کہ ہم حافظ کے ساتھ نابینا کا لفظ مستلزم سمجھتے تھے۔ معاشرے کے زیریں طبقے میں سے بچے حفظ کے لیے ملتے تھے۔ آج یہ وقت ہے کہ اعلیٰ خاندانوں کے بچے بھی، فیسیں ادا کر کے، بہترین عمارات میں پوش علاقوں میں حفظ قرآن کر رہے ہیں۔ معیاری اداروں میں داخلے کے لیے پہلے سے جگہ محفوظ کروانی پڑتی ہے۔ طالبات میں بھی رجحان پیدا ہوا ہے۔ ان کے لیے حفظ کے علیحدہ ادارے کھل رہے ہیں۔ حکومت کی طرف سے پیشہ ورانہ اداروں میں داخلے کے لیے این سی سی کی طرح حفظ کے بھی ۲ فی صد نمبروں نے حفظ کے رواج کو بڑھانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ قرآن جب سینے میں محفوظ ہوتا ہے تو کسی بدنصیب کے سوا یقیناً زندگی بھر کے لیے زندگی کے اطوار اور رویوں کو ڈھالنے میں کردار ادا کرتا ہے۔

ایک خوش گوار بات یہ ہے کہ قرآن کی طرف توجہ کے ساتھ ساتھ اسے حسن قرأت سے پڑھنے کی طرف بھی توجہ ہوئی ہے۔ پہلے خصوصاً تراویح میں نہایت تیز رفتاری سے، جسے بالکل بغیر سمجھے، لفظ کھاتے ہوئے سنایا جاتا تھا (اپنے بچپن میں، ہم نے جن سے قرآن سنا، انھیں حافظ ریل کہا جاتا تھا)، اب عموماً قرآن اطمینان سے اور ترتیل سے پڑھا جاتا ہے۔ کئی جگہ مفہوم سنانے کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ اخبارات روزانہ تراویح میں سنائے جانے والے حصے کا خلاصہ شائع کرتے ہیں۔ تعلیمی اداروں میں حسن قرأت کے مقابلے اہتمام سے ہوتے ہیں۔ سرکاری اور نجی سطح پر قومی اور بین الاقوامی مقابلے ہوتے ہیں جہاں عمرہ کے ٹکٹ اور ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے انعام میں ملتے ہیں۔ ان سب امور نے عمومی طور پر قرآن کی بہتر ادائیگی کی طرف اور اس کے مفہوم کو سمجھنے کا رجحان مضبوط کیا ہے۔

قرآن صرف پڑھنا ہی نہیں، بلکہ سمجھنا اور اس پر عمل کرنے کا ثواب و برکت اور نجات کا ذکر تو ہمیشہ رہا ہے، لیکن گذشتہ دور میں، دین کے اجتماعی زندگی میں راہنما ہونے کے شعور کے نتیجے میں قرآن کو ترجمے سے پڑھنے اور سمجھنے کی ایک عام تحریک مشاہدہ کی جا سکتی ہے۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ عربی، بلکہ قرآنی عربی کی مختلف کتابیں اور کورس سامنے آئے ہیں جو مختلف ماہرین اپنے اپنے شہروں میں پڑھاتے ہیں۔ بڑے شہروں میں ہی نہیں، قصبات میں بھی ایسے متعدد ادارے قائم ہو چکے ہیں جو قرآن کی تدریس اور اس کا شعور بیدار کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔ قرآن کے معانی اور تفسیر کے حوالے سے بیش قیمت کتب شائع ہوئی ہیں۔ سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تفہیم القرآن، جو اس دور کے لیے ایک بے نظیر تفسیر ہے، کی طلب و

مقبولیت اتنی ہے کہ ناشرین سال کے بیشتر حصے میں آؤٹ آف اسٹاک رہتے ہیں۔

قرآن کی طرف یہ رجحان گذشتہ چند برسوں میں واضح ہو کر سامنے آیا ہے اور مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین میں بھی تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ قرآن فہمی کے حلقے جابجا کھل رہے ہیں جن میں لوگ جوق در جوق حصہ لیتے ہیں۔ قرآن فہمی کے حلقوں کا یہ سلسلہ ملک گیر سطح پر بہ تدریج پھیلتا چلا جا رہا ہے۔ یہ حلقے روایتی درس کے حلقوں سے ذرا ہٹ کر ہیں۔ شرکاے کلاس باقاعدہ طالب علموں کے سے انداز میں شریک ہوتے ہیں' محض سامع کی حیثیت سے نہیں۔ بہ تدریج ان کا ذوق بڑھتا چلا جاتا ہے۔ ایک طرف عربی زبان کی تدریس روایتی طریقوں سے ہٹتے ہوئے جدید اور عام فہم انداز میں کی جاتی ہے جس سے شرکا کو قرآن کے ترجمے کی محتاجی سے نجات مل جاتی ہے اور دوسری طرف قرآن کا فہم بھی حاصل ہوتا ہے۔

قرآن مجید اپنے سننے والوں پر سحرطاری کر دیتا تھا جس سے بچنے کے لیے کفار و مشرکین اپنے کانوں میں انگلیاں اور روئی ٹھونس لیتے تھے' پتھردلوں کو موم کر دیتا تھا' سننے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے تھے۔ یہ قرآن کی لذت ہی تھی کہ ایک ہی آیت پڑھتے پڑھتے لوگ حالت قیام میں پوری پوری رات بسر کر دیتے تھے اور پاؤں اور پنڈلیاں سوج جاتی تھیں لیکن دل تھا کہ سیر نہ ہوتا تھا۔ قرآن کی یہ تاثیر کل بھی تھی اور آج بھی ہے۔ قرآن فہمی کے ان حلقوں میں قرآن کی اس تاثیر کے اثرات و مشاہدات بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔

ملک و ملت کے سب ہی خواہ اپنے اپنے انداز سے' اپنے اپنے دائروں میں قرآن کا شعور بیدار کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ قرآن کا فہم عام ہوگا تو عقائد درست ہوں گے' مشرکانہ رسومات اور اوہام و خرافات سے چھٹکارا ملے گا' فروعی مسائل سے توجہ ہٹے گی' عقیدہ آخرت پر ایمان تازہ ہوگا' حقیقی جواب دہی کا احساس بیدار ہوگا' کرپشن اور خیانت ختم ہوں گے' معاشرے میں اعلیٰ اخلاق کا چلن ہوگا۔ اگر قرآن کی طرف سب کا رجوع ہو تو اسی کلمہ پر قوم کا اتحاد بھی ہوگا۔

اس طرح کے سب اداروں اور ان کی سرگرمیوں کی تفصیل کا بیان نہ ممکن ہے اور نہ پیش نظر ہے۔ قرطبہ میں جماعت اسلامی کے پہلے اجتماع عام کے حوالے سے' جسے پیغام قرآن و سنت کا عنوان دیا گیا ہے' جماعت اسلامی کے زیر اثر جو سرگرمیاں جاری ہیں' یہاں ان میں سے چند کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ تھوڑی بہت کوششوں کو بھی عوام الناس کی طرف سے حیرت انگیز مقبولیت مل رہی ہے۔

فہم قرآن و سنت کورس: قرآن و سنت کی طرف دعوت پہلے روز سے جماعت اسلامی کی بنیادی دعوت ہے۔ قرآن کا فہم مسلمانوں کو فرقہ اور مسلک کے تعصب سے بلند کر دیتا ہے اور انھیں ایمان کی حقیقی لذت سے آشنا کرتا ہے۔ قرآن کی پیاس ہر انسان کے دل میں موجود ہے' صرف دل پر دستک دینے کی

ضرورت ہے۔ اس سال باقاعدہ منصوبے کے تحت ۱۳ چھوٹے بڑے شہروں میں شعبہ فہم دین کے تحت فہم قرآن و سنت کے ۱۰ روزہ پروگرام منعقد کیے گئے تو اس حقیقت کا سب نے مشاہدہ کیا۔ عوام الناس کے رجوع نے منتظمین کو حیران کر دیا۔ رب کے پیغام کی کشش تھی کہ لوگ کشاں کشاں آئے اور اگلے روز دوسروں کو بھی لے کر آئے۔ ۱۰ دنوں میں حاضری اوسطاً ۸ گنا بڑھی۔ بہاولپور میں پہلے روز ۹۰۰ افراد (مرد و خواتین) شریک تھے اور آخری روز ۸ ہزار۔ ڈیرہ غازی خان جیسے علاقے میں ۳۰۰ افراد سے شروع ہونے والے پروگرام میں آخری روز ۶ ہزار افراد شریک ہوئے۔ کہروڑ پکا میں ۲۵۰ پہلے روز تھے اور دسویں روز ۷ ہزار۔ پورے قصبے میں ایک چہل پہل تھی۔ شرکا چاہتے تھے کہ اگلا پروگرام جلد سے جلد ہو۔ اس مثبت رجحان پر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ ۱۳ مقامات پر ۵ ہزار کی حاضری ۴۰ ہزار پر ختم ہوئی۔ اس سلسلے کو منظم کر کے ملک کے کونے کونے میں پھیلایا جائے تو قرآن کی طرف یہ رجوع زندگی میں وہ تبدیلی لائے گا جو معاشرے میں انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوگی' ان شاء اللہ!

معمول کے پروگرام کے تحت بھی درس قرآن کے پروگرام ہوتے ہیں۔ اس وقت ۸ ہزار مراکز درس قرآن کام کر رہے ہیں۔

رجوع الی القرآن کی تحریک خواتین میں' خصوصاً تعلیم یافتہ برسر روزگار اور گھریلو خواتین میں قبولیت حاصل کر رہی ہے۔ قرآن کے لیے کام کرنے والے سب ہی افراد اور ادارے اس پہلو سے آگاہ ہیں۔ خواتین کا مذہبی رجحان اور قرآن سے تعلق نسبتاً زیادہ ہے' اب معنی و مطلب سمجھنے کی وجہ سے صحیح عقائد' دین کا درست تصور اور عملی زندگی کے لیے رہنمائی براہ راست حاصل کر رہی ہیں۔ رمضان المبارک میں ۱۵' ۱۵' ۲۰' ۲۰ خواتین کے گروپ اپنے اپنے محلوں میں روزانہ ۲' ۳ گھنٹے صرف کر کے کر مکمل قرآن کا باترجمہ مطالعہ کرتی ہیں۔ کراچی میں یہ سلسلہ چند سال قبل شروع ہوا اور ہر سال اضافہ ہو رہا ہے۔ اب ملک کے دوسرے حصوں میں بھی خواتین کا نظم اسے منظم کر رہا ہے۔ ۳ ہزار سے زائد مقامات پر اس طرح مکمل قرآن کا مطالعہ کیا گیا۔ سب نے ترجمہ قرآن مجید از سید مودودی بھی حاصل کیا۔ مختلف آبادیوں میں ناظرہ قرآن پڑھانے کے مراکز سے ۶۷ ہزار خواتین نے استفادہ کیا۔ فہم قرآن کے ۹۰۰ مراکز میں ۴۲ ہزار خواتین نے قرآن کا مطالعہ کیا۔ جو درس شمار کیے جا سکے ہیں وہ ۵۵ ہزار کے قریب ہیں۔

کراچی میں کے ڈی اے اسکیم نمبر۱ میں قرآن ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیراہتمام قرآن انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا ہے جس کی مکمل ذمہ داری خواتین کے سپرد ہے۔ اسی سال آغاز ہوا ہے اور سہ ماہی' شش ماہی اور دو سالہ کورس میں ۱۰۰ سے زائد خواتین قرآن کا علم ایک نصاب کے تحت حاصل کر رہی ہیں۔ ادارے کے پیش نظر مختلف دورانیے کے شام کے مختلف کورس شروع کرنا بھی ہے۔ امید ہے کہ جلد ہی یہ ادارہ قرآن

کے حوالے سے کراچی میں خواتین کی سرگرمی کا اہم مرکز بن جائے گا۔

تحریک محنت پاکستان ایک ملک گیر تنظیم ہے جو بلاامتیاز مسلک یا مکتب فکر' ملک بھر میں ملازمین کی سطح پر دعوت و تربیت اور فہم قرآن کے لیے کام کر رہی ہے۔ ملتان میں دعوت بالقرآن کے حوالے سے ایک منصوبے کے تحت فہم القرآن اکیڈمی کا آغاز کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ۱۶ مرلے زمین حاصل کر لی گئی ہے۔ ابتدائی مرحلے میں ایک وسیع ہال اور مکتبہ کی تعمیر ہو چکی ہے۔ فہم القرآن کلاس کا باقاعدہ اجرا ہو چکا ہے۔ اس کورس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ ہر باشعور مسلمان کو اس حقیقت کا ادراک حاصل ہو جائے کہ وہ اپنی زندگی کو قرآن کے سائے میں کس طرح ڈھالے۔ فہم القرآن اور فہم دین کے لیے بصیرت افروز لیکچرز اور عربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس کا ایک مقصد مدرسین کی تیاری بھی ہے جو قرآن کے پیغام کو عام کرنے میں بنیادی کردار ادا کر سکیں۔ نصاب کی تیاری اور تدریس کا فریضہ اعلیٰ تعلیم یافتہ تجربہ کار پروفیسر صاحبان اور ماہرین کے تعاون سے جاری ہے۔ تقریباً ۱۵ ماہ سے قرآن کی کلاسیں باقاعدگی سے جاری ہیں۔ اب تک ۳۰۰ سے زیادہ افراد اس سے مستفید ہو چکے ہیں۔ آڈیو ویڈیو کیسٹ اور پروجیکٹر سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ یہ مجوزہ اکیڈمی جب پایہ تکمیل کو پہنچے گی تو ملتان اور قرب و جوار کے علاقوں میں فہم قرآن اور فہم دین کو احسن انداز میں جدید خطوط پر انجام دینے والا ایک اسلامی مرکز ثابت ہو گی۔

اسلامی جمعیت طلبہ گذشتہ نصف صدی سے تعلیمی اداروں میں دعوت دین کے لیے سرگرم عمل ہے۔ اپنی آواز پر لبیک کہنے والے طلبہ کو تربیت کے ایک عمل سے گزارتی ہے تاکہ یہ طلبہ پاکستان کے ایسے باشعور شہری بنیں جو دین کے تقاضوں سے نہ صرف واقف ہوں' بلکہ ان کی زندگیاں اس کی آئینہ دار ہوں۔

جمعیت کے نصابات' اور تربیتی پروگراموں میں تعلق بالقرآن کو ہمیشہ خصوصی مقام حاصل رہا ہے۔ سیشن ۲۰۰۰-۲۰۰۱ء کو اس نے دعوت کا سال قرار دیا ہے اور ۱۰ لاکھ طلبہ کو جمعیت کی دعوت سے متعارف کرانے کا ہدف طے کیا ہے۔ یہ دعوت درحقیقت قرآن و سنت کی دعوت ہے۔ اس لیے ایسی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں کہ جمعیت سے وابستہ افراد قرآن کو قرآن کی زبان میں سمجھیں اور اس کے پیغام کو عام کریں۔ ایک ماہر کی رائے میں قرآنی عربی کی ۴۰ گھنٹے کی تدریس سے ایک طالب میں یہ صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ خود قرآن کو براہ راست سمجھ سکے۔ گرامر پر بہت زور نہ دیا جائے اور مشق کروائی جائے۔ قرآن میں ۹۸ فی صد الفاظ اردو کے ہیں' ۱۶۵ فی صد عربی الفاظ بار بار آتے ہیں' صرف ۰.۵ فی صد ایسے ہیں جن کے لیے استاد یا ڈکشنری کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس بات کے پیش نظر جمعیت نے ماسٹر ٹرینرز تیار کرنے کے لیے ایک خصوصی ۲۰ روزہ کیمپ (یکم اگست تا ۲۰ اگست ۲۰۰۰ء) کا انعقاد کیا جس میں پورے

ملک سے ذمہ داران شریک ہوئے۔ استاد نے اپنے مخصوص انداز اور طریقے کے مطابق تدریس کی جس سے طلبہ میں صلاحیت بھی پیدا ہوئی اور ساتھ ساتھ شوق بھی۔ تجوید بھی سکھائی گئی اور تدریس کی مشق بھی کروائی گئی۔ اس کورس کے لیے ایک خصوصی کتاب آیئے! قرآن سیکھیں تیار کی گئی ہے۔ اس تربیتی کیمپ کی ویڈیو بھی تیار کی گئی ہے۔ امید ہے چراغ سے چراغ جلے گا اور قرآن کا پیغام ایمان و جہاد مستقل کے معماروں تک پہنچ کر، ملک کی قسمت بدل دے گا۔

اسلامی جمعیت طالبات بھی اپنی دعوت پر لبیک کہنے والی اسکولوں اور کالجوں کی طالبات کی زندگی کو قرآن کے مطابق ڈھالنے کے لیے مختلف پروگرام ترتیب دیتی ہے۔ درس قرآن اور قرآن سرکل رہائشی بنیاد پر اور ہوسٹلوں میں منعقد ہوتے ہیں۔ دورہ قرآن کے ۱۰۸ پروگرام ہوئے اور ۵ ہزار سے زائد قرآن کلاسیں ہوئیں۔ حالیہ کل پاکستان اجتماع میں ۱۰۰ طالبات نے تفہیم القرآن کا مکمل سیٹ حاصل کیا۔

قرآن خالق کائنات کا اپنے بندوں کے لیے آخری براہ راست پیغام ہے۔ اس کے الفاظ کی اپنی تاثیر ہے۔ یہ سننے والوں کی زندگیاں بدل ڈالنے والا کلام ہے۔ اس کو سمجھ کر پڑھا جائے---- اس کے اولیں مخاطب اسے براہ راست سمجھتے تھے--- انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسے اختیار کیا جائے، تو یہ مسلمانوں کے موجودہ معاشروں میں انقلاب لا سکتا ہے اور ان کے سب دلدر دور کر سکتا ہے۔ بے خدا معاشروں کی پیاس بجھا سکتا ہے اور ان کے مسائل کو حل کر کے زندگیوں کو سکون سے آشنا کر سکتا ہے۔ ہمارے ہر گھر میں یہ نسخہ موجود ہے، ہم اسے پڑھتے بھی ہیں، لیکن اکثر نہ اسے سمجھتے ہیں نہ اس کی اہمیت محسوس کرتے ہیں۔ فہم قرآن کی تحریکیں اسی صورت حال کو بدلنے کے لیے ہیں تاکہ قرآن زندہ اور جیتا جاگتا عملی راہنما ہو جائے۔

لیکن یہ ایک آزمایش بھی ہے۔ قرآن کا پیغام اور اس کے تقاضے قوم تک پہنچانے کی ذمہ داری ادا کر دی جائے، پھر بھی زندگی کے اطوار اللہ کے غضب کو دعوت دینے والے ہوں اور زبان حال سے تکذیب کی جا رہی ہو تو بالآخر مہلت ختم ہو جاتی ہے اور اللہ کی سنت پوری کر دی جاتی ہے۔ ولن تجد لسنة الله تبديلا۔

33

مغربی استعمار کے نئے ہتھکنڈے

پروفیسر ملک محمد حسین ○

عصر حاضر کے مغربی استعمار کی چار نئی اصطلاحات یعنی عالم گیریت (Globalization)' مقامیت (Localization)' آزاد روی (Liberalization) اور نج کاری (Privatization) اس وقت پاکستان کے ہر پڑھے لکھے فرد کا موضوع گفتگو ہیں۔ ان اصطلاحات کی ایک خاص تاریخ' خاص پس منظر' خاص مقصد اور خاص فلسفہ ہے۔ یہ بظاہر بہت ہی بے ضرر' روشن خیال اور ترقی کی منازل طے کرنے والی اصطلاحات معلومات ہوتی ہیں۔ ہمارے ملک میں تحقیق و مطالعہ کی روایت مضبوط نہیں ہے۔ ہمارے نام نہاد دانش ور اور این جی او طرز کے قائدین مغرب کی انگریزی اصطلاحوں سے اس قدر مرعوب ہیں کہ ان کی حقیقت اور مضمرات کو سمجھے بغیر ان کی تعریف و توصیف کرنے لگتے ہیں۔ درحقیقت ان اصطلاحات کے پردے میں مغربی استعمار تیسری دنیا کے ملکوں کو بالعموم اور مسلمان ملکوں کو بالخصوص' اپنی ذیلی ریاستوں کی حیثیت میں تبدیل کرنا چاہتا ہے۔

یہ چاروں اصطلاحات دراصل چار استعماری نظام ہیں جن کے ذریعے مغربی استعمار تیسری دنیا کے معاشروں کی اندرونی اور بیرونی سیاست' ان کی معیشت اور ان کی تہذیب و معاشرت کو کنٹرول کرنا چاہتا ہے تاکہ ان معاشروں کا استحصال کر کے مغربی دنیا کے معاشی مفادات کو آگے بڑھایا جائے اور سیاسی سطح پر ان ملکوں کو بے دست و پا کر دیا جائے۔ ذیل میں ہم ایک ایک اصطلاح کے مضمرات اور اثرات کا جائزہ لیتے ہیں۔

عالم گیریت

کرۂ ارض پر مواصلاتی اور اطلاعاتی نظام میں بے پناہ ترقی کی وجہ سے دنیا کی بے کراں وسعتیں

○ سیکرٹری جنرل' ایسوسی ایشن فار اکیڈمک کوالٹی (آفاق)' لاہور

سمٹ گئی ہیں۔ دنیا کے کسی بھی کونے میں ہونے والا کوئی اہم واقعہ آناً فاناً پوری دنیا میں نشر ہو جاتا ہے۔ اکثروبیشتر ایسے واقعات کو ٹی وی چینل براہ راست وقوع پذیر ہوتا ہوا دکھا دیتا ہے۔ دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک تیز رفتار جیٹ ہوائی جہازوں کے ذریعے چند گھنٹوں میں پہنچا جا سکتا ہے۔ مواصلات و اطلاعات کی اس تیز رفتاری کی وجہ سے پورا کرۂ ارض گویا ایک عالمی گاؤں کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ عالم گیریت کا یہ پہلو تو مواصلات و اطلاعات کی انقلابی تیز رفتاری تک محدود ہے لیکن سیاسی اور بین الاقوامی روابط کے لحاظ سے اس کا تصور اور معانی بالکل مختلف ہیں۔ سیاسی اور بین الاقوامی معاملات کے لحاظ سے عالم گیریت سے مراد ریاست کے دائرہ کار میں آنے والے چار اہم وظائف کو عالمی بنانا ہے' یعنی ۱۔ معیشت' ۲۔ بیرونی تجارت' ۳۔ خارجی تعلقات' ۴۔ دفاع۔

مغربی استعمار نے اس سیاسی ہتھیار کے ذریعے ان چار اعلیٰ ریاستی امور کو جس طرح تیسری دنیا اور خصوصاً اسلامی ممالک سے چھین کر اپنے ماتحت کرنے کی کوشش کی ہے اس کی جھلک کچھ اس طرح سے ہے۔

معیشت کو گلوبلائز کرنے کے لیے آئی ایم ایف' ورلڈ بنک' علاقائی ترقیاتی بنک اور ترقی یافتہ ممالک کے بین الاقوامی ترقی کے ادارے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے مخصوص مالی مفادات کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ ان اداروں نے تیسری دنیا کے ممالک میں قرضوں کی معیشت کو فروغ دیا ہے۔ بات پہلے امداد اور گرانٹ سے شروع ہوتی ہے۔ پھر کم سود یا محض سروس چارجز کے نام پر قرضوں کی لت ڈالی جاتی ہے اور پھر بھاری سود پر قلیل المیعاد قرضوں کا جال بنا جاتا ہے۔ درآمدی ماہرین' بیرونی مشیر اور مقامی بیورو کریسی مل کر یہ کھیل کھیلتے ہیں اور ریاست کا معاشی ڈھانچہ مغربی استعماری ممالک خصوصاً امریکہ کے ہاتھوں غلاموں کی طرح نہ ٹوٹنے والی زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ تیسری دنیا کی کرنسی کی قیمت بار بار کم کر کے اسے بے وقعت کر دیا جاتا ہے اور ڈالر' پونڈ' سٹرلنگ' فرانک اور ین کا قیدی بنا لیا جاتا ہے۔ آئی ایم ایف' ورلڈ بنک اور دیگر بین الاقوامی مالیاتی اداروں کی ملی بھگت سے اب ڈالر نے عالمی کرنسی کی شکل اختیار کر لی ہے۔ بین الاقوامی برادری میں کسی ملک کی کرنسی کی وقعت ہی دراصل اس ملک کی وقعت کا تعین کرتی ہے۔ کرنسی جب بے وقعت ہوئی تو اس کرنسی کی مالک ریاست ازخود بے وقعت ہو گئی۔

بیرونی تجارت اور دوسرے ممالک سے لین دین پر ریاست کا اپنا خودمختارانہ حق ہے۔ اس خودمختارانہ حق کو سلب کرنے کے لیے ورلڈ ٹریڈ آرگنائزیشن (WTO) کا ہتھیار استعمال میں لایا جا رہا ہے۔ مارکیٹ اکانومی' فری ٹریڈ اور اسی طرح کے دیگر بین الاقوامی معاہدات جن کے پیچھے امریکی اور یہودی سازش کارفرما ہے' ریاستوں کے اس خودمختارانہ حق کو محدود کر چکے ہیں۔ فری ٹریڈ' مارکیٹ اکانومی اور درآمد و برآمد پر

پابندیوں سے آزاد تجارت' بعض ملکوں کو پسندیدہ ترین ملک (most favourite countries) قرار دینے کے لیے دباؤ اور اسی طرح کے امریکی حکم نامے امریکی اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کی بین الاقوامی اجارہ داری کو بڑھا رہے ہیں۔

امور خارجہ یا کسی ریاست کے دوسری ریاستوں سے باہمی تعلقات' ان تعلقات کی دیرپائی اور وقعت' ان تعلقات کو توڑنے اور قائم رکھنے کی آزادی اور قوموں کی برابری کا تصور' ریاست کے ایسے وظائف ہیں جن سے ریاست کی آزادی' خودمختاری اور بین الاقوامی وقار کا اظہار ہوتا ہے۔ امریکہ اور اس کے مغربی حاشیہ نشینوں نے بین الاقوامی تعلقات کو بھی گلوبلائز کر دیا ہے۔ چھوٹے کمزور ممالک اور تیسری دنیا کے ممالک اپنے خارجی تعلقات کے سلسلے میں عالمی گاؤں کے چودھری یعنی امریکہ کی خوشنودی کے تابع ہیں۔ اگر مرضی پوری نہ کریں تو طرح طرح کی پابندیوں اور دباؤ کا شکار ہونا پڑتا ہے۔ علاقائی تعاون کے ادارے' دو طرفہ' سہ طرفہ اور کثیرالقومی معاہدات' حقوق انسانی کا ہتھیار' دہشت گردی کی روک تھام کا بہانہ اور اسی طرح کے دیگر استعماری ہتھکنڈے ریاستوں کے اپنے اس اعلیٰ ریاستی وظیفے کو بھی آزادی سے نبھانے میں سدراہ بن رہے ہیں۔ اب اگر کوئی ریاست اپنے بین الاقوامی معاملات اور تعلقات میں آزاد نہیں تو اس کی ریاستی اتھارٹی کہاں باقی رہ گئی۔

اب آیئے انتہائی اہم ریاستی ذمہ داری کی طرف۔ یہ ذمہ داری قومی دفاع کی ذمہ داری ہے۔ تیسری دنیا کی ریاستوں کی یہ ذمہ داری نبھانے کی اتھارٹی بھی گلوبلائز ہو چکی ہے۔ نیوکلیئر فری زون' تحدید اسلحہ کے معاہدے' سی ٹی بی ٹی اور این پی ٹی جیسے امریکہ کی طرف سے ٹھونسے جانے والے بین الاقوامی معاہدات' جاسوس مصنوعی سیارے' پوری دنیا میں پھیلے ہوئے امریکی فوجی اڈے جس طرح پوری دنیا اور خصوصاً کمزور ریاستوں کو اپنے پنجہ استبداد میں لے چکے ہیں' اس کے بعد ریاستوں کی قومی دفاع کی اتھارٹی بھی ایک طرح سے سلب ہو چکی ہے۔ پاکستان' انڈونیشیا' چین' ایران وغیرہ جیسے ممالک اگر ابھی تک قومی دفاع کی اتھارٹی قائم رکھنے کے تصور سے چمٹے ہوئے ہیں تو ان پر امریکہ اور اس کے حواریوں کی طرف سے طرح طرح کی پابندیاں اور محاصرے کی دھمکیاں مسلسل آرہی ہیں۔ قومی دفاع کی اتھارٹی اور آزادی سے بالکل عاری ممالک کی کلاسیکل مثال خلیج کی ریاستیں' کویت اور سابق سوویت یونین کی نوآزاد ریاستیں وغیرہ ہیں۔

ریاست کے چار اعلیٰ سیاسی وظائف یعنی معیشت' بیرونی تجارت' امور خارجہ اور دفاع جب گلوبلائز ہوتے ہیں تو ریاست کی حیثیت اور وقار زیادہ سے زیادہ ایک میونسپلٹی کی سطح کا رہ جاتا ہے' لیکن میونسپلٹی کی سطح کا کردار اور وقار ایک اور ہتھیار سے خاک میں ملا دیا گیا ہے' یا ملا دینے کی کوششیں ہو رہی ہیں۔ یہ ہتھیار ہے مقامیت (Localization) کا ہتھیار۔

مقامیت

مقامیت کے بین الاقوامی ہتھیار کے تحت اقتدار کی مقامی سطح پر منتقلی (devolution of power) کے تصور کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ اس تصور کے تحت تعلیم' صحت' آب رسانی' کوڑا کرکٹ ٹھکانے لگانا' تحفظ عامہ' عدل و انصاف کی فراہمی' ماحول کا کنٹرول وغیرہ جیسی خدمات مقامی سطح پر مقامی حکومت کے ذریعے سے مہیا کرنے کا انتظام کیا جاتا ہے۔ پاکستان میں جس طرح ضلعی حکومتوں اور تحصیل اور یونین کونسل کی سطح پر اقتدار منتقل کرنے کا سوچا جا رہا ہے' یہ اس کی ایک مثال ہے۔ خدمات کے ساتھ سیاسی سرگرمیاں بھی مقامی نوعیت کی کر دی جاتی ہیں کیونکہ جب اقتدار نچلی سطح پر منتقل ہوگا تو سیاسی عناصر کی دل چسپی بھی مقامی سطح تک محدود ہو جائے گی۔ اس طرح سیاسی سرگرمیوں کا مرکز و محور بھی مقامی نوعیت اختیار کر لے گا۔ یوں قومی سطح پر قدآور شخصیات کا آہستہ آہستہ قحط رونما ہوگا اور بالآخر قومی رابطہ اور قومی استحکام متاثر ہوگا۔ قومی مرکزیت کے خاتمے کے ساتھ ریاست کی اتھارٹی اور وقعت اور کم ہو جائے گی۔ مقامی اقتدار اور مقامی سطح پر خدمات کی فراہمی کا میکانزم لوگوں کی وفاداریوں کو مقامی کر دے گا۔ اس طرح عوام کی ریاست کے ساتھ وفاداری اور ریاستی تفاخر کمزور پڑ جائے گا۔

مغربی استعمار کی یہی کوشش ہے کہ مسلمان ریاستیں خصوصاً' اور تیسری دنیا کی دیگر ریاستیں بالعموم' اتنی بے بس اور کمزور ہو جائیں اور ان کی اتھارٹی اتنی سطحی رہ جائے کہ ان کے معاملات میں دخل اندازی مشکل نہ رہے۔ ریاست کے پاس بیرونی وقار کے لیے معیشت' کرنسی' خارجی تعلقات میں آزادی اور قومی دفاع کی اتھارٹی ہوتی ہے۔ مرکزی سیاسی اقتدار کسی ریاست کا ضروری ہتھیار ہے۔ جب عالم گیریت اور مقامیت کے نام پر کسی ریاست سے یہ سب ہتھیار اور اختیارات چھین لیے جائیں تو ریاست کا ڈھانچہ قائم رہنے کے باوجود اس کا وقار' فیصلہ سازی کی آزادی' مزاحمت کی صلاحیت اور قومی مرکزیت قائم رکھنے کی صلاحیت مفقود ہو جاتی ہے اور غالب عالمی طاقت کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور ہو جاتی ہیں۔ مقامیت کے عمل میں اور مقامیت ہو جانے کے بعد غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز) ہراول دستے کا کام کرتی ہیں۔ اختیارات کی منتقلی کے نام پر جو اقتدار نچلی سطحوں پر منتقل کیا جاتا ہے اس سے عوام فائدہ حاصل نہیں کرتے بلکہ عملاً وہ این جی اوز کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے۔ یہ این جی اوز زیادہ تر وہ ہوتی ہیں جن کے کرتا دھرتا مغربی استعمار کے ایجنٹ اور کارندے ہوتے ہیں۔ پاکستان کی موجودہ سیاسی کش مکش میں مقامی سطح پر اقتدار منتقل کرنے کی سب سے بڑی حامی بیرونی آشیرباد سے چلنے والی این جی اوز ہیں۔

مغربی استعمار کے عالم گیریت اور مقامیت کے ثمرات' آزاد روی اور نج کاری کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ ہم ذرا تفصیل کے ساتھ ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔

آزاد روی

آزاد روی مغربی استعمار کا ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے سامنے ہمارے بڑے بڑے دانش ور اور بعض نظریاتی قائدین بھی ڈھیر ہو جاتے ہیں۔ انھیں جب کٹر' ضدی اور کٹھ ملا کا طعنہ دیا جاتا ہے تو فوراً لبرل' روشن خیال' ترقی پسند اور پیش بین (forward looking) ہونے کا دعویٰ فرما دیتے ہیں۔ آزاد روی کو اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ گویا یہ معاشرے کو لبرل' روشن خیال' ترقی پسند اور پیش بین بنانے کا عمل ہے۔

آزاد روی کے عمل میں این جی اوز مرکزی کردار ادا کرتی ہیں' خصوصاً بیگمات کی این جی اوز اور مغربی دنیا سے مالی امداد لینے والی این جی اوز۔ آزاد روی میں کبھی چھپے اور کبھی کھلے بندوں خاندانی بندھنوں کو ڈھیلا کرنے اور توڑنے کی تاکید کی جاتی ہے' بزرگوں کی شفقت اور محبت کا مذاق اڑایا جاتا ہے' مشترک خاندانی نظام سے پیدا ہونے والے نفسیاتی اور معاشرتی عوارض گنوائے جاتے ہیں' لڑکیوں کی بے راہ روی کو جرأت مندانہ اقدام کے طور پر پیش کیا جاتا ہے' اور رشتوں ناطوں کے تقدس کو پامال کرنے کے ڈرامے رچائے جاتے ہیں۔ دوسری طرف ثقافت اور ابلاغ عامہ کے ذرائع کو لبرلائز کرنے کی تلقین کی جاتی ہے اور صاف ستھری عادات' تفریحات اور ثقافتی سرگرمیوں کی گھٹن پیدا کرنے کے نام پر تضحیک کی جاتی ہے۔ اسی طرح مذہبی سوچ کو لبرلائز کرنے کا وعظ کیا جاتا ہے۔ اسلامی اقدار اور وظائف کی پاسداری پر کٹھ ملا کی پھبتی کسی جاتی ہے۔ اس کے بعد آزاد روی کے نعرے کے تحت معاشرے کی ثقافتی' نظریاتی اور روایتی جڑیں اکھاڑی جاتی ہیں اور معاشرے کو بے لنگر جہاز کی طرح انتشار ذہنی کے سمندر میں لڑھکنے کے لیے کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔

نج کاری کا عمل

اوپر بیان کیے گئے تینوں ہتھیاروں کی منزل نج کاری ہے۔ نج کاری کے ذریعے تین اہداف حاصل کیے جاتے ہیں۔ پہلا' قومی وسائل اور ذرائع پر کثیرالقومی اداروں کا قبضہ۔ دوسرا' خدمات کی تاجرانہ نرخ پر فراہمی تاکہ عوام کو ہر چیز قیمتاً ملے جس میں صحت' تعلیم' آب رسانی' تحفظ عامہ اور عدل و انصاف سب شامل ہیں۔ استعماری ملکوں کی ملٹی نیشنل کمپنیاں ان خدمات کو سستے داموں خرید کر مہنگے داموں عوام کو مہیا کرتی ہیں۔ یہ بنیادی انسانی خدمات ہیں۔ جب یہ خدمات ملٹی نیشنلز کے پاس چلی جاتی ہیں تو گویا ریاست کی شہ رگ ان ملٹی نیشنلز کے ہاتھ میں ہے اور وہ کسی بھی وقت ہاتھ دبا کر ریاست کی رگ زندگی کاٹ سکتی ہیں۔ تیسرا' مرکزی حکومت پر اثرانداز ہونا۔

جب خدمات مقامی ہوں گی' جب اقتدار مقامی ہوگا' جب سیاست مقامی سطح اختیار کر لے گی اور وفاداری اور محبت کا محور مقامی حکومت ہو گی اور جب اس مقامی حکومت کی شہ رگ کسی ملٹی نیشنل کے

ہاتھ میں ہو گی تو کون سی وہ جی دار ریاست ہے جو مغربی استعمار کے سامنے سر اٹھا سکے گی۔ یہ ہے مغربی استعمار کا سازشی منصوبہ جس کے ذریعے لڑے بغیر' اپنے جوانوں کا خون بہائے بغیر اور کچھ خرچ کیے بغیر وہ تیسری دنیا کے اقتدار اعلیٰ' فیصلہ سازی اور مالی وسائل پر قابض ہونا چاہتا ہے۔

تیسری دنیا اور خصوصاً مسلم ممالک کو زیردست رکھنے کی کوششوں کی ایک وجہ مغربی استعمار کا اندرونی خوف بھی ہے۔ یہ خوف مغربی معاشروں کی قلت آبادی اور اسلامی دنیا کی کثرت آبادی کی وجہ سے پیدا ہو رہا ہے۔ اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغربی ترقی یافتہ ممالک بشمول آسٹریلیا آبادی کی کمی کا شکار ہیں۔ ان کو کارخانے' ادارے اور ملک کے نظام کو چلانے کے لیے نوجوانوں کی مطلوبہ تعداد میسر نہیں ہے۔ اکثر مغربی ممالک میں ۶۰ سال سے زائد عمر یعنی ریٹائرڈ افراد کی تعداد کل آبادی کے ۴۰ فی صد سے بڑھ گئی ہے۔ جلد ہی یہ نسبت ۶۰ فی صد سے اوپر ہو جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کمانے والے افراد کم ہو رہے ہیں اور کھانے والے بڑھ رہے ہیں۔ نتیجتاً ان کی معیشت پر بوجھ بڑھ رہا ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی تو ایک دن ان ممالک کی معیشت بالکل بیٹھ جائے گی اور ان ممالک کی ریاستیں اور حکومتیں قابل عمل نہیں رہیں گی۔

دوسری طرف ترقی پذیر ممالک اور خصوصاً اسلامی ممالک میں آبادی کی نمو کی شرح ۳ فی صد کے لگ بھگ ہے اور یہ نسبت بڑھ رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ممالک "جوان آبادی" والے ممالک ہیں' نیز ان کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ کمانے والے ہاتھ زیادہ ہیں اور "صرف" کھانے والے منہ کم ہیں۔ وقت کے ساتھ دو نتائج برآمد ہوں گے۔ اول یہ کہ ان ممالک میں معاشی سرگرمی بڑھے گی اور یہ ممالک توانا ہوں گے۔ دوم یہ کہ ان ممالک کی فاضل آبادی' کم آبادی والے ممالک کا رخ کرے گی جہاں خود ان ممالک کو ان افراد کی خدمات درکار ہوں گی۔ انتقال آبادی کے اس عمل سے مغربی ممالک میں ایشیائی اور افریقی نسل کے لوگوں کی آبادی میں تیزی سے اضافہ ہوگا۔ اگر موجودہ رجحان برقرار رہتا ہے تو اگلے ۵۰ سے ۸۰ سال کے اندر دنیا میں آبادی کی تقسیم کا نقشہ بدل جائے گا۔ امریکی' برطانوی' فرانسیسی' جرمن اور آسٹریلوی نسل کے لوگوں کے بجائے یہ ممالک ایشیائی اور افریقی نسل کے لوگوں کے ملک بن جائیں گے۔ اگر یہ ایشیائی اور افریقی زیادہ تر مسلمان ہوئے تو یہ ممالک مسلم آبادی والے ممالک بن جائیں گے۔

قوت بیان کے لیے خیال' الفاظ' آواز' سماعت اور ادائیگی بنیادی عناصر ہیں

لیکن ــــ بیان کی تاثیر خاموشی میں پنہاں ہے!

سکوتِ خاموشی' ایک کیفیت ہے ــــ خیال کو پرکھنے کے لیے' راستے کو بنانے کے لیے' الفاظ کو چننے کے لیے' ردِّ عمل کا اندازہ کرنے کے لیے

خاموش انسان اپنے آپ کو ٹٹول سکتا ہے' اپنے قلب و دماغ اور سمع و بصر کی قوتوں کو بروئے کار لا کر بیان کو ترتیب دے سکتا ہے۔

اپنا بیان پہلے اپنے آپ کو سنا سکتا ہے۔

خاموشی غور و فکر کا پہلا زینہ ہے ــــ عمل کرنے کے لیے توجہ چاہیے۔ توجہ کرنے کے لیے خاموشی درکار ہوتی ہے۔

بیان کی تاثیر کے ساتھ' عمل کی افادیت کا راز بھی خاموشی میں مضمر ہے

اس لحاظ سے قیادت کی خاموشی معنی خیز ہوتی ہے

اس کی حرکت کی سمت اور قوت بھی اس کی خاموشی کے سکوت پر منحصر ہوتی ہے۔

دعوت تنظیم سیٹ
(قیمت : 60 روپے)

سچی بات	دعوت کے نشانِ راہ	چند تصویریں سیرت کے البم سے
انقلاب کا راستہ	انقلاب کی دستک	پاکستان کہاں کھڑا ہے
ہم کیسا پاکستان بنائیں گے	موثر تنظیم	ٹیم ورک
سستی اور کاہلی	آج کا داعی' کل کا قائد	کارکنوں کے اوصاف

تعمیر سیرت سیٹ
(قیمت : 75 روپے)

اپنی تربیت کیسے کریں ؟	تربیت و تزکیہ	قربِ الٰہی	اللہ کا ذکر
قیام اللیل	شب بیداری	قرآن کا پیغام	آخری وصیت
عہد وفا	چالیس احادیث	قرآن کا اجتماعی مطالعہ	تقویٰ کی زندگی
رب کے در پر	نالہ نیم شب	جہاد کی پکار	زندگی کی ترجیحات
محاسبہ نفس	تربیت کی پہلی منزل		

منشورات' منصورہ' ملتان روڈ' لاہور - فون : 5425356 فیکس : 7832194

جلد سوم بھی دستیاب ہے

شعورِ حیات

مولانا
محمد یوسف اصلاحی

موثر انداز تحریر — تربیت اور تزکیہ کے لیے انتہائی مفید

◎ نئے خوبصورت ٹائیٹل کے ساتھ ◎ کمپیوٹرائزڈ کتابت ◎ تینوں یکجا -/250 روپے

جلد اوّل : 45 روپے جلد دوم : 45 روپے جلد سوم : 45 روپے

البدر پبلی کیشنز' 23- راحت مارکیٹ' اُردو بازار' لاہور - 54000

آسٹریلیا میں مسلمان

نورا کینہ قاضی

مغربی بحرالکاہل کے جزائر میں عرب سوداگر عرب سے چین جاتے ہوئے پہنچے تھے۔ لیکن وہ جاوا اور سماٹرا کی طرح ان جزائر میں کبھی مستقلاً آباد نہ ہوئے۔ پھر سولھویں صدی عیسوی کے بعد جب انڈونیشیا ایک مسلم اکثریتی ملک بن گیا تو وہاں کے مسلمانوں کی آسٹریلیا کے شمالی ساحل اور نیوگنی اور اس کے ہمسایہ جزائر میں باقاعدہ آمدورفت شروع ہو گئی۔

آسٹریلیا پہنچنے والے اولین یورپی مہم جوؤں نے ان جزائر بالخصوص آسٹریلیا میں مسلمانوں کی موجودگی کا تذکرہ کیا ہے۔ مثال کے طور پر ۱۶۰۶ء میں جب ایک ہسپانوی مہم جو تورس نیوگنی پہنچا تو اس نے اس جزیرے کے مغربی حصے میں جزائر ملوکا کے مسلمانوں کے زیراثر ایک عظیم تمدن کو پھلتے پھولتے دیکھا۔ اسی طرح میتھیو فلانڈرز نے جب ۱۸۰۲ء میں آسٹریلیا کے شمال مغربی ساحل کی سیاحت کی تو اس نے وہاں جزائر تیمور اور سولاویزی کے مسلمان ماہی گیروں کی خاصی بڑی تعداد آباد پائی۔ اس طرح یہ معلوم ہوتا ہے کہ بحرالکاہل میں یورپی نوآبادیاتی نظام کے پہنچنے سے کافی پہلے ہی مسلمان وہاں پہنچ چکے تھے۔

بحرالکاہل میں مسلمان آباد کاروں کے بہاؤ کو کم از کم آٹھ بڑی لہروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلی مالے لہر تھی جو ۱۸۵۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۳۰ء تک جاری رہی۔ یہ مالے مسلمانوں کو آسٹریلیا کے شمال مشرقی' شمالی اور شمال مغربی ساحلوں پر لائی۔ یہ لوگ موتیوں کے غوطہ خوروں اور گنے کے کھیتوں میں کام کرنے والے کرائے کے مزدوروں کی حیثیت سے وہاں پہنچے تھے۔ ان مسلمانوں کی چند نسلیں مسلمان رہیں' باقی مقامی آبادی میں خلط ملط ہو کر اپنی مذہبی شناخت سے محروم ہو گئیں۔ دوسری لہر افغان لہر تھی جنھیں انگریز ۱۸۳۰ء سے ۱۹۳۰ء تک ان کے اونٹوں سمیت آسٹریلیا لاتے رہے۔ ان افغانوں نے آسٹریلیا کے صحرائی علاقوں کی معیشت کی تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ یہ افغان اپنے مذہب پر بڑی سختی سے کاربند رہے۔ تیسری لہر ۱۸۷۲ء میں فرانسیسیوں کے ہاتھوں الجزائری حریت پسندوں کی نیوکلی ڈونیا جلاوطنی سے شروع ہوئی۔ چوتھی لہر (۱۸۷۶ء تا ۱۹۱۶ء) ہندستانی تارکین وطن کی تھی۔ یہ ہندستانی مسلمان کوئنزلینڈ آسٹریلیا اور

جزائر فجی میں گنے کے کھیتوں میں کام کرنے کے لیے ایک معاہدے کے تحت وہاں بھیجے گئے تھے۔ کچھ مسلمان تاجر گجرات سے بھی نیوزی لینڈ پہنچے۔ ان مسلمان تارکین وطن کی اولادیں آج بھی مسلمان ہیں۔ فجی میں تو یہ مسلمان زبردست اکثریت کے حامل ہیں۔

یہ پہلی چار لہریں پرانے تارکین وطن کی شمار ہوتی ہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد البانوی پناہ گزینوں کی بھاری تعداد آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ پہنچی۔ ان کا زمانہ ہجرت ۱۹۲۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۵۰ء تک رہا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد یوگوسلاوی اور قبرصی مسلمان بھی آسٹریلیا پہنچنے شروع ہو گئے۔ ان کی آمد ۱۹۴۸ء سے لے کر ۱۹۶۰ء تک جاری رہی۔ ۱۹۶۰ء کے بعد مسلمان بڑی بھاری تعداد میں آسٹریلیا پہنچے۔ یہ مسلمان زیادہ تر ترکی، لبنان، یونان، پاکستان، مصر اور شام سے آئے تھے۔ ان مسلمانوں کی اولادیں اب تک اپنے دین اسلام کی پیروکار چلی آرہی ہیں۔ ہر ۱۰ سال بعد ان مسلمانوں کی تعداد میں خاطرخواہ اضافہ ریکارڈ کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں بحرالکاہل میں مسلمانوں کی کل آبادی ۲ لاکھ ۶۰ ہزار تھی۔ ۱۹۹۲ء میں یہ بڑھ کر ۶ لاکھ ۱۷ ہزار ہوگئی۔ تازہ اعداد و شمار کے مطابق اب یعنی ۱۹۹۹ء میں یہ تعداد بڑھ کر ۱۲ لاکھ ۲۷ ہزار تک جا پہنچی ہے۔ اس تخمینے میں انڈونیشیا اور فلپائن شامل نہیں ہیں جو براعظم ایشیا کا حصہ شمار ہوتے ہیں۔ فی الحال (۱۹۹۹ء) مسلمان بحرالکاہل کے چھ ملکوں، آسٹریلیا، فجی، نیوزی لینڈ، نیوکیلی ڈونیا اور پاپوا نیوگنی میں منظم حالت میں آباد ہیں۔ کوکوس آئی لینڈ اور کرسمس آئی لینڈ میں بھی مسلمان منظم حالت میں آباد ہیں جو آسٹریلیا کے زیر سیادت ہیں۔ انھیں بھی آسٹریلیا کے مسلمانوں کی طرح آسٹریلوی شہری شمار کیا جاتا ہے۔ نیوکیلی ڈونیا میں مسلمانوں کی آبادی کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔ یعنی ۴۰ فی صد--- اسی طرح آسٹریلیا میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے یعنی ۵ لاکھ ۵۵ ہزار۔ ان تمام بحرالکاہلی خطوں میں مسلمانوں کی آبادی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ انھوں نے اپنے اتحاد و تنظیم کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ اکثر علاقوں میں انتہائی منظم و مربوط حالت میں ہیں، جب کہ اکثر علاقوں میں ان کے درمیان اتحاد و نظم کا فقدان ہے۔

آسٹریلیا، کمیونٹی کی تشکیل

سب سے پہلے جو مسلمان آسٹریلیا پہنچے وہ عرب تاجر تھے جو دسویں صدی عیسوی میں وہاں پہنچے تھے۔ پھر پندرھویں صدی میں جزائر انڈونیشیا خصوصاً میکاسر، تیمور اور ملوکا سے مسلمان ماہی گیر وہاں پہنچے۔ آسٹریلیا میں اس وقت جو مسلم کمیونٹی موجود ہے اس کی بنیاد اس وقت پڑنی شروع ہوئی جب ۱۸۵۰ء میں ایک کشمیری پٹھان دوست محمد خان اپنے دو افغان دوستوں اور ۲۴ اونٹوں کے ساتھ ملبورن پہنچا۔ یہ لوگ صحرائے آسٹریلیا کے دور دراز کے علاقوں کی تلاش و جستجو کرتے وہاں پہنچے تھے۔ ۱۸۶۰ء میں کراچی سے ۱۲ شتربان اپنے ڈیڑھ صد اونٹوں کے ساتھ وہاں پہنچے۔ اس کے بعد مزید شتربان بھی وہاں پہنچ گئے۔ ان لوگوں نے

آسٹریلیا کی ہمہ جہت ترقی میں انتہائی قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔ بیشتر شتربان موجودہ پاکستان سے آئے تھے۔ کچھ بھارت، ایران اور افغانستان سے آئے لیکن چونکہ ان لوگوں کی غالب اکثریت پشتو بولنے والی تھی، اس لیے یہ افغان یا خان کہلاتے تھے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی تعداد میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ وہ اونٹوں کی افزایش نسل اور ان کی تجارت کرنے لگے۔ ان میں سے بعض چھوٹے موٹے کاروبارں اور ملازمتوں سے وابستہ ہو کر سارے براعظم آسٹریلیا میں پھیل گئے۔ انھوں نے اس براعظم کی وسعتوں کو چھانا۔ نئے علاقے دریافت کیے۔ ایڈیلیڈ سے ڈارون پہلی اوورلینڈ ٹیلی گراف لائن کے قیام اور کالگوری سے پورٹ آگسٹا تک ٹرانس آسٹریلیا ریلوے کی تعمیر میں قابل قدر خدمات سرانجام دیں۔

ان مسلمان تارکین وطن میں بہت سی نامور شخصیات بھی پیدا ہوئیں، مثلاً حاجی عبدالواحد جنھوں نے اونٹوں کی افزایش نسل اور ان کی تجارت کے سلسلے میں بڑا نام پیدا کیا۔ حاجی محمد عالم ۱۸۵۸ء میں قندھار، افغانستان میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۵ء میں ہجرت کر کے آسٹریلیا چلے آئے۔ انھوں نے ایک عظیم ماہر نباتات، حکیم اور مبلغ اسلام کی حیثیت سے ملک گیر شہرت حاصل کی۔ انھوں نے ۱۹۶۴ء میں ۱۰۶ سال کی طویل عمر میں ایڈیلیڈ میں انتقال کیا۔

افغانوں سے انگریز بالکل غلاموں جیسا سلوک کرتے تھے۔ آسٹریلوی عیسائی بھی ان سے انتہائی کینہ اور عناد رکھتے تھے۔ ان افغانوں کو آسٹریلیا بھیجتے وقت انگریزوں نے انھیں اپنی عورتیں ساتھ لے جانے کی اجازت نہ دی تھی۔ اس لیے اس اجنبی سرزمین پر شادی ان افغانوں کے لیے انتہائی گمبھیر مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ اس صورت حال میں اکثر افغان عمر بھر کنوارے ہی رہے۔ بعض نے سفید فام اور دوغلی نسل کی عورتوں کو مسلمان کر کے ان سے شادیاں کر لیں۔ اکثر ایسے تھے جنھوں نے اپنی ہونے والی اولادوں کے مستقبل کا خیال کیے بغیر ہر ہاتھ آئی عورت سے شادی رچالی۔ آج اس کا نتیجہ یوں سامنے آتا ہے کہ سفید فام اور دوغلی نسل کی عورتوں سے ان افغانوں کی جو اولاد ہے وہ ۸۰ فی صد عیسائی ہے اور ۲۰ فی صد مسلمان، لیکن ان میں اپنی افغان اصلیت کا تصور بے حد مستحکم ہے۔ یہ لوگ اب آسٹریلوی سرزمین پر اپنے آپ کو تنہا اور اجنبی محسوس کرتے ہوئے تیزی سے اپنے اصل مذہب یعنی اسلام کے دامن میں سمٹ رہے ہیں اور اپنی اسلامی شناخت اور مقام دوبارہ حاصل کر رہے ہیں۔

۱۸۶۰ء سے مغربی آسٹریلیا کے سمندروں سے دنیا کے ۸۰ فی صد موتی نکالے جاتے تھے۔ یہ موتی نکالنے والے غوطہ خور انڈونیشیا اور ملائیشیا کے مسلمان ہوتے تھے۔ انھیں اپنی بیویاں اپنے ساتھ لانے کی اجازت دی گئی تھی۔ یہ اپنے مذہب اسلام کے سچے پیروکار تھے۔ انھوں نے اپنی کمیونٹی تشکیل دی لیکن ان کی اولادیں آگے چل کر آسٹریلوی معاشرے میں خلط ملط ہو کر برائے نام مسلمان رہ گئیں۔ انڈونیشی جزائر

اور بھارت سے کوئنزلینڈ' راک ہمپٹن اور کیرنز میں گنے کے کھیتوں میں کام کرنے کے لیے کرائے پر لائے جانے والے مسلمان مزدوروں کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ ان کی اولادیں یا تو عیسائی بن گئیں یا برائے نام ہی مسلمان رہ گئیں۔ اب ان میں اپنے آبائی دین اسلام کی طرف لوٹ جانے کی خواہش زور پکڑ رہی ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد البانیہ سے مسلمان تارکین وطن کا ایک سیلاب آسٹریلیا امڈ آیا۔ ان کی غالب تعداد شمالی کوئنزلینڈ اور وکٹوریہ کے تمباکو کے کھیتوں اور پھلوں کے باغات میں بحیثیت مزدور و کسان کھپ گئی۔ یہ لوگ آسٹریلیا میں ضرور آباد ہوگئے تھے لیکن یہ مقامی عورتوں سے شادی سے مجتنب ہی رہے۔ ۱۹۳۰ء کی دہائی میں ان لوگوں کی ایک بھاری تعداد اپنے وطن واپس گئی اور وہاں سے مسلمان بیویاں لے کر آسٹریلیا واپس آگئی۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد مزید البانوی مہاجر آسٹریلیا پہنچے۔ ان میں یوگوسلاوی اور یونانی مسلمان بھی کافی تعداد میں تھے۔ یوگوسلاویہ سے بوسنیائی مسلمان بھی آسٹریلیا پہنچے۔ انھوں نے ایڈیلیڈ' ملبورن اور سڈنی میں مسلم اتحاد و تنظیم کے لیے بڑا فعال کردار ادا کیا۔ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۲ء میں قبرصی ترکوں کی بھی ایک بھاری تعداد سڈنی اور ملبورن پہنچی۔

۱۹۶۸ء میں حکومت آسٹریلیا نے بڑی بھاری تعداد میں مسلمانوں کو بالخصوص ترکی' لبنان اور البانیہ کے مسلمانوں کو فیکٹریوں اور کھیتوں میں کام کرنے کے لیے آسٹریلیا آنے کی دعوت دی۔ مصر' شام' فجی' بھارت' پاکستان' چین' برما' روس اور جنوبی افریقہ سے بھی بڑی بھاری تعداد میں مسلمان آسٹریلیا پہنچے۔ یہ لوگ اپنے دین اسلام کے سچے پکے پیروکار تھے۔ انھوں نے اپنی ملٹی نیشنل کمیونٹی تشکیل دی جس میں آسٹریلیا میں پہلے سے آباد مسلمان بھی شامل ہو گئے۔

۱۹۹۹ء میں آسٹریلیا میں آباد مسلمانوں کی کل تعداد کا تخمینہ ۲ لاکھ ۹۰ ہزار لگایا جاتا ہے۔ ان مسلمان آبادکاروں کی زیادہ تر تعداد نیو ساؤتھ ویلز اور وکٹوریہ میں آباد ہے۔ دوسری ریاستوں اور کرسمس اور کوکوس جزائر میں بھی مسلمانوں کی قابل ذکر تعداد آباد ہے۔ ان آبادکار مسلمانوں میں سب سے زیادہ تعداد ترکوں کی ہے۔ پھر عرب البانوی اور یوگوسلاوی مسلمان آتے ہیں۔ باقی مالے' افغان' بھارت' پاکستان اور فجی کے مسلمان ہیں۔

ان مسلمانوں کی زیادہ تر تعداد فیکٹری مزدوروں کی ہے۔ کچھ کسان ہیں اور کچھ یونی ورسٹیوں کے اساتذہ باقی مختلف النوع پیشوں سے منسلک ہیں۔ اس وقت تقریباً ۲۲ ہزار کے لگ بھگ مسلمان طالب علم یونی ورسٹیوں میں تعلیم پا رہے ہیں اور ہزاروں دوسرے مختلف فنی درس گاہوں اور کینبرا میں ڈپلومیٹک کور (سفارتی عملہ) سے منسلک ہیں۔

آسٹریلیا، مقامی تنظیم

آسٹریلیا میں مسلمانوں کی آبادکاری کی موثر تاریخ ۱۸۶۰ء سے شروع ہوتی ہے۔ وہاں مسلمانوں کی آبادکاری کا سلسلہ اگلے ۱۲۰ برس تک جاری رہا۔ اس عرصے کے دوران مسلمانوں نے اپنے آپ کو دو مرتبہ متحد و مربوط کرنے کی سعی کی۔ اس سلسلے میں پہلی کوشش ۱۸۸۰ء میں کی گئی جو ۱۹۴۸ء میں پہنچ کر مکمل ناکامی سے دوچار ہو گئی۔ دوسری کوشش ۱۹۴۸ء میں کی گئی جو اب تک کامیاب چلی آ رہی ہے۔ اس میں جو وسعت، گہرائی اور ہمہ گیری موجود ہے اس نے پہلی تنظیم کے تمام عناصر اپنے اندر جذب کر لیے ہیں۔

مسلمانوں کی پہلی منظم برادری کی بنیاد افغان آبادکاروں نے رکھی تھی۔ یہ آبادکار شہروں اور قصبات کے مضافاتی علاقوں میں کچے مکانات، لوہے کی جھونپڑیوں اور چھپروں میں رہتے تھے۔ ان کی ہر آبادی میں ایک مسجد ضرور ہوا کرتی تھی جو اس آبادی کا مرکزی مقام سمجھی جاتی تھی۔ برادری کی تنظیم فکری کے بجائے مذہبی و رسوماتی ہوتی تھی۔ مثال کے طور پر سب سے معمر اور عالم و فاضل شخص امام کے فرائض انجام دیتا تھا۔ یہ برادری کے مذہبی امور کی دیکھ بھال کا ذمہ دار ہوتا تھا۔ بچوں کی تعلیم کی طرف کم ہی توجہ دی جاتی تھی۔ ایک سادہ سی جھونپڑی مسجد اور جاے عبادت ہوتی تھی۔ بعض اوقات پتھروں کا ایک بڑا سا کمرہ عبادت خانہ بنا لیا جاتا تھا لیکن یہ برادری کے مرکز کا کام ہرگز نہ دیتا تھا۔ امام مسجد ٹرسٹی کے طور پر مسجد کے تمام امور کا مختار ہوتا تھا۔ برادری کے لیڈر انتہائی سخت گیر اور درشت مزاج ہوتے تھے جو اس اجنبی سرزمین پر تبلیغ اسلام کے ہرگز قائل نہ تھے۔ وہ ہر اس شخص کو برادری سے نکال باہر کرتے تھے جو ذرا بھی کسی اخلاقی یا کرداری لغزش کا مرتکب ہوتا۔ مثال کے طور پر اگر کسی شخص کا بیٹا شراب پی لیتا یا کسی عورت سے گستاخی کر بیٹھتا تو وہ شخص اپنے اس بیٹے کو اپنے ساتھ مسجد میں لے آتا اور سب لوگوں کے سامنے اسے گھر سے نکال دینے کا اعلان کر دیتا۔

"خان" مسلم برادری کا مرکز جنوبی آسٹریلیا تھا۔ وہاں مری، اوڈناٹا، فرینا، ہرگوٹ سپرنگز، ٹارکولا اور پورٹ آگسٹا میں بکثرت "خان" قصبات واقع تھے۔ مسلمانوں نے اوڈناٹا، مری، فرینا اور جنوبی آسٹریلیا کے دارالحکومت ایڈیلیڈ میں بڑی وسیع و عریض اور شان دار مساجد تعمیر کیں۔ افغانوں کی تعمیر کردہ مساجد میں ایڈیلیڈ کی مسجد سب سے بڑی اور پرشکوہ تھی۔ یہ حاجی ملا میبن کی زیرنگرانی تعمیر ہوئی تھی۔

جنوبی آسٹریلیا سے مسلمان دوسرے علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے نیو ساؤتھ ویلز میں بروکن ہل، ولکانیا اور برک میں اپنی برادریاں قائم کیں اور وہاں مساجد تعمیر کیں۔ بروکن ہل کی مسجد نیو ساؤتھ ویلز کی سب سے بڑی مسجد گنی جاتی ہے۔ کوئنز لینڈ میں افغان برادریاں کلونکری، ڈچز اور ریاستی دارالحکومت برسبین میں وجود میں آئیں۔ کوئنزلینڈ میں سب سے بڑی مسجد ۱۹۰۷ء میں عبدالغیاث اور

محمد حسن کی مساعی سے برسبین میں تعمیر ہوئی۔ مغربی آسٹریلیا میکاتھرا' ویلونا' کولگارڈی' کالگورلی' کانوں کے ایک قصبے اور پرتھ میں مسلم آبادیوں کے سبب مسلمان آبادکاروں کی ایک نہایت اہم ریاست بن گیا۔ ۱۸۹۵ء میں پرتھ کی جامع مسجد کی تعمیر کا کام شروع ہوا جو ۱۹۰۵ء تک جاری رہا۔

مالے مسلمانوں کی برادری زیادہ منظم نہیں تھی۔ اس کے اہم مراکز میکے' تھرسڈے آئی لینڈ (کوئنز لینڈ) اور بروم (مغربی آسٹریلیا) تھے۔ ان برادریوں میں ایک معمر اور عالم و فاضل شخص بحیثیت امام منتخب کیا جاتا تھا۔ اس کا کام صرف اتنا ہی ہوتا تھا کہ جو لوگ نماز پڑھنا چاہیں انھیں نماز پڑھا دیا کرے۔ ان برادریوں میں صرف بروم کے مسلمان ہی اس صدی کے اواخر میں مسجد تعمیر کرنے میں کامیاب ہو سکے۔

۱۹۳۸ء کے بعد مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم کی مساعی زیادہ تر ناکامی سے دوچار ہوتی رہیں اور وہ سرزمین آسٹریلیا میں ایک معدوم ہوتی ہوئی نسل بنتے گئے۔ پرتھ کی مسجد پر قادیانیوں نے قبضہ جما لیا۔ بروم کی مسجد دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں کی بمباری کے بعد دوبارہ کبھی تعمیر نہ ہو سکی۔ کولگارڈی کی مسجد میوزیم میں تبدیل ہو گئی۔ ایڈیلیڈ کی مسجد نمازیوں سے خالی ہو گئی۔ اوڈناٹا اور فرینا کی مساجد ڈھا دی گئیں۔ مری کی مسجد ۱۹۵۱ء میں صرف ۵۰ پونڈ کے عوض فروخت کر دی گئی۔ بروکن ہل کی مسجد بھی میوزیم میں تبدیل ہو گئی۔ برسبین کی مسجد میں ویرانی نے ڈیرے ڈال دیے۔ اس زمانے میں آسٹریلیا میں مسلمان نمازیوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی تھی اور مسلمانوں کی حیثیت سے پہچانے جانے والے لوگ چند صد ہی رہ گئے تھے۔

پھر نئے تارکین وطن کی آمد کے ساتھ ہی سرزمین آسٹریلیا میں احیائے اسلام کی تحریک شروع ہوئی۔ انھوں نے مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم کی مساعی شروع کیں۔ انھوں نے عمارات اور مساجد بنانے سے پہلے مسلمانوں کی منظم و مربوط برادری کی تشکیل پر توجہ دی۔ چنانچہ شوریٰ کے اصولوں کے مطابق برادری کے راہنماؤں کا انتخاب ہوا۔ اس طرح آسٹریلوی مسلمانوں کو مخلص قیادت میسر آئی اور ان کی بقا اور ترقی کی راہیں روشن ہو گئیں۔

آسٹریلوی مسلمانوں کی تنظیم و اتحاد کی کوششیں کرنے والے یہ نئے تارکین وطن قبرصی ترک تھے جو ۱۹۴۸ء میں ملبورن اور ۱۹۵۲ء میں سڈنی پہنچے تھے۔ لیکن ان کی منظم جماعت قومیت کی بنیاد پر استوار تھی بہ نسبت مذہبیت کے۔ انھوں نے مسجدوں کی بجائے کلب زیادہ بنائے۔ لیکن اب وہ قومیت کے بجائے اسلامیت پر زور دے رہے ہیں۔ پھر ایڈیلیڈ اور برسبین کی مسلم برادریاں بھی منظم و مربوط ہو گئیں اور انھوں نے ۱۹۵۳ء میں ان شہروں میں مساجد تعمیر کیں۔ متروک مساجد کی مرمت و بحالی کی۔ پھر البانویوں نے ۱۹۵۳ء میں ماریبا' کوئنزلینڈ میں' ۱۹۵۴ء میں شیپرٹن' وکٹوریہ میں اور ۱۹۶۱ء میں ملبورن' وکٹوریہ میں البانین

مسلم سوسائٹیز کی تشکیل کی۔ ۱۹۷۰ء میں انھوں نے ان تینوں شہروں میں مساجد بھی تعمیر کیں۔ عرب مسلمانوں کی برادریاں ۱۹۶۰ء میں سڈنی میں منظم ہوئیں اور ۱۹۶۸ء میں وولف گانگ میں ایک ملٹی نیشنل آرگنائزیشن قائم ہوئی۔ ۱۹۷۰ء کی دھائی میں براعظم آسٹریلیا میں بے شمار مسلم برادریاں آپس میں مربوط و منظم ہو کر بے شمار چھوٹی بڑی تنظیموں کی صورت میں سامنے آئیں۔ ان میں مالے، ترک اور یوگوسلاوی مسلمانوں کی تنظیمیں نمایاں تھیں۔ پرانے مسلم آباد کاروں کی تنظیمیں بھی منظرعام پر آکر عظیم اسلامی احیا کی مساعی میں ان تنظیموں کے ساتھ شامل ہو گئیں، مثلاً ایلس سپرنگز کے افاغنہ اور میکے کے مالے مسلمانوں کی تنظیمیں۔ آج آسٹریلیا میں تقریباً ۸۸ مسلم تنظیمیں ہیں۔ تازہ ترین (۱۹۹۹ء) اعداد و شمار کے مطابق وہاں ۵۸ اسلامک سنٹر اور ۵۲ مساجد ہیں۔

آسٹریلیا، قومی تنظیم

۱۹۶۰ء تک آسٹریلوی مسلمانوں نے اپنے اتحاد اور ربط کے لیے ملک گیر پیمانے پر کوئی تنظیم نہ بنائی۔ پھر ۱۹۶۱ء میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے انھیں مجبور کیا کہ وہ ایک پلیٹ فارم پر متحد ہو کر اپنی ایک مضبوط و مربوط قومی تنظیم بنائیں۔ یہ واقعہ ایڈیلیڈ کی مسلم برادری سے تعلق رکھنے والے مذہبی راہنما احمد سکاکا سے تعلق رکھتا تھا جو ایک بڑے پکے سچے مسلمان، راست باز اور ایمان دار شخص تھے۔ وہ ۱۹۵۰ء میں یوگوسلاویہ سے ہجرت کر کے آسٹریلیا آئے۔ وہاں وہ بحیثیت الیکٹریشن ملازمت کرتے ہوئے، آسٹریلوی مسلمانوں کے اتحاد و تنظیم کے لیے دن رات کوششیں کرنے لگے۔ انھوں نے جنوبی آسٹریلیا میں اسلامک سوسائٹی قائم کی اور ایڈیلیڈ کی مسجد مسلمانوں کو واگزار کرائی۔ ۱۹۶۱ء میں انھوں نے وفاقی حکومت کو درخواست بھیجی کہ عیسائیوں کی طرح مسلمانوں کو بھی اپنی مذہبی رسومات کے مطابق شادی کی اجازت دے دی جائے۔ وفاقی حکومت نے یہ درخواست رد کر دی۔ اس سے مسلمانوں نے انتہائی تذلیل محسوس کی۔ اس وقت اُن کا یہ حال تھا کہ پرانے تارکین وطن نئے تارکین وطن سے بالکل الگ ہو چکے تھے۔ آسٹریلیا سے ایڈیلیڈ، ملبورن، سپرتن، سڈنی، برسبین اور ماریبا میں مسلمانوں کی ۱۰ منظم برادریاں موجود تھیں۔ اپریل ۱۹۶۳ء میں ان برادریوں کا ہنگامی اجلاس ہوا۔ جس کے نتیجے میں آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک سوسائٹیز کا قیام عمل میں آیا (AFIS)۔

AFIS کی سب سے پہلی کوشش ایڈیلیڈ کی مسلم برادری کو اسلامی طریق کار اور رسومات کے مطابق شادیاں کرنے کی اجازت دلانا تھی لیکن AFIS کوئی اتنی منظم تنظیم نہ تھی۔ ۱۹۶۸ء میں اسے فجی مسلم لیگ کی شاخ بنا دیا گیا جو ہمسایہ جزائر فجی کے مسلمانوں کی جماعت تھی۔ اس طرح دوسری مسلم تنظیمیں بھی اس کی شاخیں بن گئیں۔ یوں فجی مسلم لیگ کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہو گئی۔ یہ عمل فجی جیسے چھوٹے سے

رقبے اور مختلف النسل مسلمان باشندوں پر مشتمل ایک چھوٹے سے ملک کے لیے بے حد سودمند ثابت ہوا۔ لیکن آسٹریلیا جیسے ملک میں، جو ایک مکمل براعظم ہے اور جس میں مختلف النسل مسلمان بستے ہیں، اس لیگ کا دائرۂ کار محدود تھا۔ ۱۹۶۸ء کے آئین میں یہ کہا گیا کہ AFIS کی ایگزیکٹو کمیٹی ممبر سوسائٹیوں کے منتخب نمایندوں پر مشتمل ایک جنرل اسمبلی کے ذریعے ہر دو سال بعد منتخب ہوا کرے۔ یہ میٹنگز ہر بار آسٹریلیا کے مختلف شہروں میں منعقد ہوتی تھیں۔ جنرل اسمبلی صدر اور نائب صدر کا انتخاب کرتی، صدر کمیٹی کی تشکیل کے لیے پانچ ممبروں کا انتخاب کرتا۔ ایگزیکٹو کمیٹی ہمیشہ ملبورن میں تشکیل پاتی۔ اس کے پہلے صدر پاکستان کے ڈاکٹر عبدالخالق قاضی تھے جو یونی ورسٹی پروفیسر تھے۔ وہ ۱۹۶۳ء تا ۱۹۶۷ء کمیٹی کے صدر رہے۔ ان کے بعد قبرص نژاد جرنلسٹ ابراہیم دلیل ۱۹۶۷ء تا ۱۹۷۱ء اور پھر البانوی النسل مسٹر حاشت سلی ۱۹۷۱ء تا ۱۹۷۴ء صدر رہے۔

۱۹۷۴ء میں سعودی حکومت نے آسٹریلوی مسلمانوں کے مسائل و ضروریات کا جائزہ لینے کے لیے ایک وفد آسٹریلیا بھیجا۔ اس وفد نے مسلمانوں کی عام تنظیموں سے رابطہ کیا اور ایک مجلس مشاورت تشکیل دی جس کی سفارشات کی روشنی میں آسٹریلوی مسلمانوں کی تنظیموں نے مندرجہ ذیل اقدامات کی بنیاد پر اپنی تنظیم نو کی مساعی شروع کیں:

___ نسلی، لسانی اور قومی بنیادوں پر قائم شدہ اسلامک سوسائٹیوں کا تدریجاً اخراج اور آسٹریلیا کی ہر ریاست میں خالص جغرافیائی بنیادوں پر مسلم سوسائٹیوں کا قیام۔

___ ہر ریاست میں مقامی اسلامی سوسائٹیاں ایک اسلامی کونسل تشکیل دیں جو اس ریاست کی تمام مسلم آبادی کی نمایندگی کرے۔ اور یہ ریاستی اسلامی کونسلیں قومی سطح پر اسلامی کونسلوں کی ایک فیڈریشن تشکیل دیں۔

انتھائی محنت اور جدوجہد کے بعد ۱۹۷۵ء میں آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک سوسائٹیز (AFIS) کو آسٹریلین فیڈریشن آف اسلامک کونسل (AFIC) میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے اصول و ضوابط وہی تھے جو AFIS کے تھے۔ اس طرح آسٹریلیا کی ہر ریاست اور علاقے (کل تعداد ۹) میں ایک اسلامی کونسل قائم کر دی گئی ہے اور ایسی ہر کونسل اسلامی سوسائٹیوں کے مختلف ممبران سے بنی ہے۔ آسٹریلوی یونی ورسٹیوں میں تعلیم پانے والے مسلمان طلبہ کے مسائل و معاملات پر توجہ اہم اور مقدم سمجھی جاتی ہے۔ اس طرح تمام مسلمان طلبہ کے معاملات سنبھالنے کے لیے آسٹریلین فیڈریشن آف مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشنز (AFMSA) تشکیل دی گئی ہے جو AFIC کی دسویں اسلامی کونسل بن گئی ہے۔ مقامی سوسائٹیاں، ریاستی کونسلیں اور AFIC اپنے اپنے دائرۂ کار میں رہتے ہوئے اپنی ذمہ داریاں اور فرائض انجام دے رہی ہیں۔

AFIC کے صدر اور نائب صدر ہر دو سال بعد دس اسلامی کونسلوں کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ صدر ایگزیکٹو کمیٹی کے دوسرے ممبروں کو منتخب کرتا ہے۔ صدر اور نائب صدر ایک مرتبہ سے زیادہ منتخب نہیں کیے جاسکتے۔ AFIC کے پہلے منتخب صدر پاکستان کے ڈاکٹر عبدالخالق قاضی تھے۔ ان کے بعد سے لے کر اب تک یعنی ۱۹۹۹ء تک بھارت' چین' مصر' البانیہ اور قبرص کے اعلیٰ تعلیم یافتہ اور اونچے عہدوں پر فائز مسلمان صدر منتخب ہوتے رہے ہیں۔ آج کل ابراہیم عطاء اللہ ایک مصری ٹیچر AFIC کے منتخب صدر ہیں۔

اس نئے نظام کے تحت AFIC نے آسٹریلوی حکام سے دوسرے مذاہب کے لوگوں کی طرح مسلمانوں کے لیے بھی یکساں مذہبی و معاشرتی حقوق منظور کروانے کی انتہائی مشکل اور صبرآزما جدوجہد شروع کی اور اس میں کامیابی حاصل کی۔ اس نے آسٹریلوی مسلمانوں کو دنیاے اسلام میں متعارف کرایا۔ آسٹریلیا میں اسلامی اداروں کو چلانے کے لیے مالی امداد کا حصول آسان بنایا۔

تمام منظم اسلامی برادریوں کے لیے اماموں کا تقرر کیا۔ غیر منظم مسلمان برادریوں یعنی ابتدائی تارکین وطن' افغانوں اور مالے مسلمانوں کی اولادوں کو منظم و مربوط کیا۔ آسٹریلیا میں چھوٹے پیمانے پر مسلمان بچوں کے لیے مذہبی تعلیم کا بندوبست کیا۔

AFIC کے فرائض اور ذمہ داریاں گراں بار ہیں۔ اس کا دائرۂ کار لامحدود ہے۔ شروع سے لے کر اب تک اسے اپنے ہر کام میں کامیابی ہوتی چلی آرہی ہے۔ مسلمان بچوں کے لیے مذہبی تعلیم' تمام مسلم برادریوں کے لیے اماموں کا تقرر اور مسلم برادریوں کی تنظیم اس کی نمایاں کامیابیاں ہیں۔ درحقیقت ان ہی کامیابیوں سے آسٹریلیا میں اسلام کی بقا اور مستقبل وابستہ ہے۔

(یہ تحریر ڈاکٹر کتانی کی کتاب مسلم مائنرٹیز آف دی ورلڈ کے مضمون کا ترجمہ اور اس پر تازہ معلومات کا اضافہ ہے)

چند اخوانی ادیب

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی ○

(تیسری اور آخری قسط)

عبدالبدیع صقر

شیخ عبدالبدیع صقر ابوابراہیم اخوان المسلمون کے سابقون الاولون میں سے تھے۔ ۱۹۳۶ء میں امام حسن البنا سے ملاقات ہوئی تو ان کی فکر اور شخصیت کے اسیر ہو کر رہ گئے۔ دفتر اخوان قاہرہ میں معاون کی حیثیت سے بھی ذمہ داری نبھائی۔ انھوں نے بانی تحریک سے اپنی پہلی ملاقات کا تذکرہ خود کیا ہے: ۱۹۳۶ء میں میدان العتبہ قاہرہ میں واقع اخوان کے دفتر میں داخل ہوا تو امام البنا حاضرین سے محو گفتگو کرتے تھے۔ میں نے انھیں بولتے ہوئے سنا کہ "دین کو دنیا سے الگ کرنے میں سامراج کامیاب ہو چکا ہے۔ یہ تفریق اگر ان کے مذہب میں درست ہو تو ہمارے مذہب کے مطابق بہرحال غلط ہے۔ آخر مذہبی شخص سیاست سے اور سیاست داں مذہب سے جدا کیسے رہ سکتا ہے؟ پھر آخر سیاست کا مطلب کیا ہے؟ کیا سیاست کا مطلب یہ نہیں ہے کہ داخل و خارج میں امت مسلمہ کی تعلیم و تربیت ہو؟ معیشت کے وسائل کی تقسیم ہو اور امن و عدل کا حصول ہو؟ اگر وزارت سیاست کی نمایندگی کرتی ہے تو کیا اللہ کے اس قول میں چھ وزارتیں شامل نہیں ہیں: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ج (النحل ۱۶:۹۰)---- بس اسی وقت سے اخوان کی صفوں میں شامل ہو گئے۔ اس کی ہیئت تاسیسی کے رکن رکین مقرر ہوئے اور امام البنا کی صحبت میں ۱۲ برس گزارے (مجلہ الدعوۃ، قاہرہ، ۱۹۷۷ء)۔

شیخ صقر نے ۱۹۴۰ء میں اپنی معروف کتاب کیف ندعو الناس تصنیف کی اور دعوت دین کے طریقہ کار پر مکمل گفتگو کی۔ آپ نے انفرادی تزکیہ و تربیت پر زیادہ زور دیا اور اسے مفتاح التحویل

○ ریڈر، ڈیپارٹمنٹ آف اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی، بھارت

(کلید انقلاب) قرار دیا۔ آپ کے مطابق "بنیاد اور اساس نفس انسانی کی تبدیلی ہے۔ اسی سے معاشرے کی تبدیلی کی تحریک مکمل ہوتی ہے اور پھر تاریخ کا دھارا بدل جاتا ہے" (عبدالبدیع صقر' کیف ندعو الناس' المکتب الاسلامی' بیروت' طبع ششم' ۱۹۷۷ء' ص ۱۰)۔ دعوت اسلامی کے تمام وسائل اور منہاجیات پر گفتگو کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں کہ "ان تمام اشیا اور ناموں سے بھرپور واقفیت اور اس میدان میں کام کرنے کی توفیق درس و مطالعہ اور تعلیم و تعلّم سے حاصل ہو گی نہ ذہانت اور ہوشیاری سے یہ منزل طے کی جا سکے گی بلکہ اس کے لیے مجاہدۂ نفس و ریاضت اور کھلے چھپے ہر حال میں تقویٰ و خشیت درکار ہے" (ایضاً ص ۱۶۵)۔

شیخ صقر کی ابتلا و آزمایش میں ثابت قدمی ضرب المثل تھی۔ ۱۹۴۸ء میں مصر کے استبدادی دور نے اخوانی رہنماؤں کو قید و بند سے دوچار کیا تو آپ الطور قیدخانہ میں بند کیے گئے۔ وہاں دوسرے ساتھیوں کی ہمت افزائی اور دل جوئی ہی نہیں بلکہ ان کی خدمت بھی کرتے تھے۔ رابطہ عالم اسلامی کے سابق سیکرٹری جنرل عبداللہ العقیل نے بیان کیا ہے کہ وہ جیل میں دوسرے اخوانی قیدیوں کے بال بھی بناتے تھے اور بڑی عمر کے لوگوں اور مریضوں کے پاخانہ پیشاب تک صاف کرتے تھے۔

۱۹۵۴ء میں مصر میں ہنگامہ دارو گیر برپا ہوا تو شیخ صقر خلیجی ممالک کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ قطر اور متحدہ عرب امارات میں ایک طویل عرصہ قیام کیا۔ قطر میں وہ مدیر معلوف مقرر ہوئے۔ پھر دارالکتب القطریہ کے ڈائرکٹر کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ اس کے بعد حاکم قطر کے ثقافتی مشیر کی حیثیت میں کام کیا۔ انھوں نے علی بن عبداللہ آل ثانی اور ان کے بیٹے احمد بن علی آل ثانی دونوں حاکمان قطر کو اسلام کی کلاسیکی امہات کتب کی طباعت و اشاعت پر آمادہ کیا۔ خلیجی ممالک میں قیام کے دوران ان کی دعوتی زندگی اور خدمت اسلام کا جذبہ بڑا نمایاں رہا۔ طبیعت کی سادگی' مزاج کی درویشی اور اخلاق کی پاکیزگی میں سرمو انحراف نہ آیا۔ دوبئ کے استاذ حیدر قفہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جس سے شیخ صقر کے اجلے کردار پر روشنی پڑتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جن دنوں وہ حاکم قطر کے مہمان تھے' میں نے انھیں ایک شب اپنے گھر قیام کرنے کی دعوت دی۔ وہ ازراہ کرم غریب خانہ پر تشریف لائے۔ رات کو کھانے سے فارغ ہو کر استراحت فرمائی۔ صبح کو میں نے دروازے پر دستک دی تو انھیں بیدار پایا۔ فجر سے پہلے تہجد سے فارغ ہو کر وہ تلاوت قرآن میں مشغول تھے۔ فجر کے بعد ہم نے ناشتہ کیا۔ وہ غسل خانہ میں ہاتھ دھونے اور وضو کی تجدید کرنے کی غرض سے داخل ہوئے۔ تھوڑی دیر بعد کیا دیکھتا ہوں کہ وہ حوض کی صفائی کر رہے ہیں۔ میرے لاکھ منع کرنے کے باوجود انھوں نے غسل خانہ کی صفائی کی۔ اصرار کیا تو بولے: بات دراصل یہ ہے کہ میری عادت ہے کہ غسل کرنے کے بعد حوض کی صفائی کر دیا کرتا ہوں تاکہ وہ ہمیشہ صاف ستھرا رہے (ہفت روزہ المجتمع'

شمارہ ۱۲۵۷، ۳ ربیع الاول ۱۴۱۸ھ / ۸ جولائی ۱۹۹۷ء، ص ۵۰)۔

شیخ صقر نے ایک بار دوستوں اور معتقدوں کی مجلس میں ایک دل چسپ واقعہ سنایا۔ مصری انٹیلی جنس کا ایک شخص اخوان کا گرویدہ ہو گیا اور اس نے خفیہ بیعت کر لی۔ اس نے مصری جاسوسی ادارے کی ایک بڑی الجھن بیان کی۔ وہ کہتا ہے کہ ہم لوگ اخوان کی مخبری اور جاسوسی کے لیے افراد متعین کیا کرتے تھے مگر ہمیں اپنے آدمیوں پر پورا بھروسا نہ ہوتا تھا۔ ہمیں اندیشہ ہوتا کہ مبادا وہ اخوان سے مل جائے اور یہ اندیشہ سچ ثابت ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک گرگ باراں دیدہ کو ڈھونڈ نکالا گیا۔ وہ بڑا ذہین اور مکار شخص تھا۔ ہم لوگوں نے سوچا کہ یہ تیر نشانے پر لگے گا۔ یہ اخوان پر ضرب کاری لگائے گا اور ان کی کمر توڑ کر رکھ دے گا۔ ابھی اس کی تقرری کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ایک دن اس نے دفتر میں آکر ہاتھ جوڑ دیے:

> سرکار! کمیونسٹوں میں میری ڈیوٹی لگا دو۔ یہودیوں کے درمیان مجھے بھیج دو۔ میں کافروں کے درمیان بھی جانے کو تیار ہوں مگر ان ... کے بچوں کے پاس میں نہیں جاؤں گا۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ میرے استفسار پر وہ کہنے لگا: یہ ہر رات قیام کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ ان کا شیخ انھیں قرآن پڑھاتا ہے۔ ایک رکعت میں ایک گھنٹہ لگ جاتا ہے۔ بڑے جفاکش اور سخت جان ہیں۔ مجھے معاف کرو (ایضاً، ص ۵۱)۔

۴ ربیع الاول ۱۴۰۷ھ / ۱۳ دسمبر ۱۹۸۶ء کو شیخ صقر مصر کے ایک شہر الزقازیق کے قریب بلبیس میں لیکچر دینے کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں سے فراغت کے بعد اپنی گاڑی میں سوار ہو کر الزقازیق کی جانب بڑھے۔ راستے میں گاڑی حادثے کا شکار ہو گئی اور وہ جوار رحمت الٰہی میں چلے گئے۔ آپ نے متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چند مطبوعہ تصانیف کے نام یہ ہیں:

○ کیف ندعو الناس (ہم دعوت کا کام کیسے کریں) ○ الاخلاق للبنات (لڑکیوں کا اخلاق) ○ التجوید وعلوم القرآن ○ رحلة الحج ○ الوصایا الخالدة (ابدی نصیحتیں) ○ شاعرات العرب ○ مختارات الحسن والصحیح من الحدیث الشریف (صحیح اور حسن احادیث کا انتخاب) ○ رسالة الایمان ○ نقد البردة ○ نساء فاضلات (عالم و فاضل خواتین) ○ التربیة الاساسیة للفرد المسلم (مسلمان کی بنیادی تربیت) ○ حدیث الی دعاة الاسلام (داعیان اسلام سے گفتگو) ○ الادعیة المأثورة (مسنون دعائیں)۔

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ

شیخ عبدالفتاح بن محمد بشیر بن حسن ابوغدہ (۱۹۱۷ء - ۱۹۹۷ء) شمالی شام کے شہر حلب الشہباء میں ایک دین دار تاجر گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اسی شہر میں المدرسة العربیة الاسلامیة میں حاصل کی۔ اس کے بعد المدرسة الخسرویة العثمانیة (جواب المدرسة الثانویة الشرعیة کے نام سے مشہور

ہے) میں داخلہ لیا اور ۱۹۴۲ء میں وہاں سے فراغت حاصل کی۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے کلیۃ الشریعۃ جامعۃ الازھر میں داخل ہوئے اور ۱۹۴۴ء-۱۹۴۸ء میں وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے۔ پھر اسی یونی ورسٹی سے ۱۹۵۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ سے اصول تدریس میں تخصص کا کورس مکمل کیا۔

حلب میں جن اساتذہ سے کسب فیض کیا ان میں شیخ راغب الطباخ، شیخ احمد الزرقا، شیخ عیسیٰ البانون، شیخ محمد الحکم، شیخ اسد ملحی، شیخ احمد الکردی، شیخ نجیب سراج الدین اور شیخ مصطفیٰ الزرقا جیسے علما کبار شامل ہیں۔ جامعہ الازہر میں جن شیوخ کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں شیخ محمد الخضر حسین، شیخ عبدالمجید دراز، شیخ عبدالحلیم محمود، شیخ محمود شلتوت اور شیخ عبداللہ الصدیق الغماری نمایاں ہیں۔ مصر میں قیام کے دوران جن علما اور مفکرین سے ملاقاتیں ہوئیں ان میں خلافت عثمانیہ کے سابق شیخ الاسلام مصطفیٰ صبری اور شیخ محمد زاہد الکوثری نیز امام شہید حسن البنا بڑی قدآور شخصیات ہیں۔ آخرالذکر سے قربت، محبت اور عقیدت اتنی بڑھی کہ پوری زندگی اخوان المسلمون کو نذر کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

مصر کے علاوہ شیخ ابوغدہ نے ہندستان، پاکستان، سوڈان، المغرب اور عراق وغیرہ اسلامی ملکوں کے تعلیمی اور دعوتی دورے کیے اور وہاں کے علما، مفکرین اور دینی و فکری رہنماؤں سے اخذ و استفادہ کیا۔ ان میں مفتی محمد شفیع، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی، شیخ الحدیث محمد زکریا کاندھلوی، شیخ الحدیث محمد ادریس کاندھلوی، شیخ محمد یوسف بنوری، شیخ محمد لطیف، شیخ ابوالوفاء افغانی، مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور مولانا ابوالحسن علی ندوی قابل ذکر ہیں۔

مصر میں تعلیم کی تکمیل کے بعد آپ شام واپس آئے اور ۱۹۵۱ء میں وزارت تعلیم کے تحت تربیت اسلامی مضمون کے مدرسین کے مقابلہ جاتی امتحان میں کامیاب ہوئے۔ چنانچہ حلب کے میٹرک اسکولوں میں ۱۱ برس تک مدرس رہے۔ اس دوران اسلامی تربیت کے موضوع پر درسی کتب کی تیاری میں بھی حصہ لیا۔ اس مدت میں ائمہ اور خطیبوں کو فارغ التحصیل کرنے والے سرکاری ادارہ المدرسۃ الشعبانیہ میں بھی آپ نے تدریس کے فرائض انجام دیے۔ اس کے بعد کلیۃ الشریعۃ جامعہ دمشق میں ڈیپوٹیشن پر اصول فقہ، فقہ حنفی اور تقابلی فقہ پر تین سال تک لیکچر دیتے اور معجم فقہ المحلی لابن حزم ظاہری، پروجیکٹ کو بعض احباب اور محققین کے تعاون سے مکمل کیا جسے دمشق یونی ورسٹی نے دو ضخیم جلدوں میں شائع کیا۔

شیخ ابوغدہ ۱۹۶۲ء میں شامی پارلیمنٹ کے رکن حلب سے منتخب ہوئے۔ مخالفین کی ریشہ دوانیوں اور ہزار الزام تراشیوں کے باوجود بڑی اکثریت سے آپ نے انتخاب میں کامیابی حاصل کی۔ پارلیمنٹ میں اسلام پسندوں کا دباؤ بنائے رکھا۔ آخر کار ۱۹۶۶ء میں متعدد علما و مفکرین کے ساتھ شامی حکومت نے آپ کو بھی گرفتار کرلیا۔ تدمرالصحراوی جیل میں آپ نے ۱۱ ماہ بسر کیے۔ ۵ جون ۱۹۶۷ء کے حادثے کے بعد ظالم

حکومت تمام سیاسی قیدیوں کو رہا کرنے پر مجبور ہوئی تو آپ بھی دیوار زنداں سے باہر نکلے۔ چند ماہ حلب میں اپنے شاگردوں کے درمیان رہے۔ جب شام کی زمین تنگ ہو گئی تو اسی سال سعودی عرب کا قصد سفر کیا اور جامعہ امام محمد بن سعود الاسلامیہ ریاض میں مدرس مقرر ہو گئے۔ اس یونی ورسٹی کے نصاب و نظام تعلیم کی تشکیل میں آپ نے بھرپور دل چسپی لی۔ چنانچہ وہاں آپ کو بڑی پذیرائی ملی۔ آپ اس کی مجلس علمی کے رکن منتخب ہوئے۔

شیخ ابوغدہ نے شام کی اخوان المسلمون کو منظم و مستحکم کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ کئی بار اس کے مرکزی مناصب پر فائز ہوئے۔ وہ المراقب العام بھی منتخب ہوئے مگر اپنی علمی و دعوتی مصروفیات کی وجہ سے جیسے ہی مناسب قائد میسر آیا تحریک کی قیادت اس کے حوالے کر دی۔ ۱۹۸۶ء میں جب کہ شامی اخوان کی داخلی صفوں میں انتشار برپا تھا۔ آپ دوبارہ المراقب العام منتخب کیے گئے۔ آپ نے پانچ سال تک یہ ذمہ داری نبھائی تاآنکہ ۱۹۹۱ء میں ڈاکٹر حسن ہویدی کو یہ امانت سونپی اور وہ اگلے مراقب عام منتخب ہوئے۔ ۱۹۹۵ء میں شیخ ابوغدہ کو احساس ہوا کہ وہ شامی حکومت اور اخوان المسلمون کے درمیان تصفیہ کرا سکتے ہیں اور طرفین کی غلط فہمیوں کا پردہ چاک کر کے تحریک اسلامی کو ابتلا و آزمایش کے دور سے نکال سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ شام واپس آئے مگر انھیں شدید مایوسی کا سامنا کرنا پڑا اور چند مہینوں کے قیام کے بعد وہ پھر ریاض چلے گئے جہاں ۹ شوال ۱۴۱۷ھ / ۱۶ فروری ۱۹۹۷ء کو آپ کا انتقال ہو گیا (ہفت روزہ المجتمع، شمارہ ۱۲۳۹، ۱۸ شوال ۱۴۱۷ھ / ۲۵ فروری ۱۹۹۷ء (الشیخ عبدالفتاح ابوغدہ)، ص ۳۴-۳۵)۔

دعوتی و تبلیغی میدان میں شیخ ابوغدہ کی شخصیت بڑی ممتاز تھی۔ شام میں جب تک مقیم رہے فعال اور متحرک داعی کی حیثیت میں عالم اسلام اور مسلمانان شام کے مسائل میں سرگرمی سے حصہ لیتے رہے۔ شہر حلب کی جامع الحموی پھر جامع الثانویہ الشرعیہ میں پابندی سے خطبہ جمعہ دینے کے علاوہ تین ہفت روزہ دروس کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ ایک نشست ہر نماز جمعہ کے بعد منعقد کرتے تھے۔ اس میں عوام و خواص سب کے سوالات کے جوابات دیتے تھے۔ دینی و سماجی تمام مسائل پر گفتگو ہوتی تھی۔ دوسری نشست ہر منگل کو ہوتی تھی جس میں شیخ کے تبحر علم کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ مجلس فقہی نوعیت کی ہوتی تھی اس میں تمام مسالک فقہ زیر بحث آتے تھے۔ ہر جمعرات کو تیسری مجلس ہوتی تھی جس میں تربیت و تزکیہ کے موضوعات پر تبادلہ خیال ہوتا تھا۔ ڈاکٹر جاسم مہلہل الیاسین نے دو چشم دید واقعات بیان کیے ہیں جن سے شیخ کی دعوتی زندگی کے خدوخال نمایاں ہوتے ہیں۔ ایک منظر وہ تھا جب کہ انھوں نے شیخ کو مغموم اور سخت رنجیدہ پایا۔ وجہ دریافت کی تو فرمایا:

میرے آنسو کیسے تھمیں، میں رنجیدگی پر کیسے قابو پاؤں جب کہ میری سیکڑوں بہنیں جیل میں ہیں؟

ہم ان کی عزت و ناموس کے بارے میں کیسے بے فکر اور مطمئن ہو سکتے ہیں جب کہ ہم کو مسجد کے دروازے پر جوتے چھوڑنے میں بھی تردد ہوتا ہے؟

دوسرا منظر وہ تھا جب کہ تحریک اسلامی کے جیالوں نے ایک اہم اقدام کا فیصلہ کیا مگر قائدین کو اس اقدام کی خطرناکی اور ہلاکت خیز نتائج کا اندازہ ہوا تو شیخ نے اس اقدام سے دست بردار ہونے کا مشورہ دیا۔ ذمہ داران نے کہا: معاملہ بہت نازک ہے۔ نوجوانوں کو کون سمجھائے گا۔ ان کے لیے پسپائی سے زیادہ آسان موت کو گلے لگانا ہو گا۔ شیخ کا موقف تھا کہ نوجوانوں کی جان زیادہ قیمتی ہے۔ مسلمان کی زندگی اللہ کے نزدیک اس کے گھر سے زیادہ محترم ہے۔ ہم اسے ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے۔ شیخ اسلامی موقف پر پوری طرح ثابت قدم اور اس کی صحت کے سلسلے میں کامل اذعان رکھتے تھے وہ نوجوانوں کے درمیان آئے، انھیں خطاب کیا۔ خود روئے دوسروں کو اشکبار کیا اور اس طرح ہزاروں زندگیوں کو تباہی سے بچایا (ایضاً، ص ۳۶) (النجم الذی افل)۔

شیخ علم و تحقیق کی دنیا کے بادشاہ تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد بہت ہے۔ چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

○ صفحات من صبر العلما علی شدائد العلم والتحصیل (تحصیل علم کی راہ میں آزمایشوں پر علما کی ثابت قدمی سے متعلق چند صفحات) ○ العلما العزاب الذین اثروا العلم علی الزواج (نکاح اور شادی پر علم کا انبار لگانے والے علما) ○ قیمة الزمن عند العلما (علما کے نزدیک وقت کی قدروقیمت) ○ الرسول المعلم واسالیبه فی التعلیم (معلم انسانیت اور ان کے تعلیمی طریقے) ○ لمحات من تاریخ السنة وعلوم الحدیث (سنت اور علوم حدیث کی تاریخ کی چند جھلکیاں) ○ امرا المومنین فی الحدیث ○ السنة النبویة وبیان مدلولها الشرعی ○ من ادب الاسلام ○ نماذج من رسائل ائمة السلف وادبهم العلمی (اسلاف کے ادبی رسائل کے چند نمونے) ○ کلمات فی کشف الاباطیل وافتراء ات (چند الزامات اور اعتراضات کے جوابات) ○ مسئلة خلق القرآن واثرها صفوف الرواة والمحدثین وکتب الجرح والتعدیل

شیخ ابوغدہ نے اسلامی علوم و فنون کی ۳۴ ضخیم امہات کتب تحقیق و تخریج کے بعد شائع کی ہیں۔ یہ کتابیں تحقیق کی اعلیٰ شاہ کار سمجھی جاتی ہیں۔ چند تحقیق شدہ کتابوں کے نام اس طرح ہیں:

○ المنار المنیف فی الصحیح والضعیف، امام ابن قیم الجوزیة ○ المصنوع فی معرفة الحدیث الموضوع، امام علی قاری ○ قواعد فی علوم الحدیث، ظفرالله تهانوی ○ قاعدة فی الجرح والتعدیل، تاج الدین السبکی ○ المتکلمون فی الرجال، الحافظ السخاوی ○ ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل، الحافظ الذهبی ○ الموقظة فی علم مصطلح الحدیث، الحافظ الذهبی ○ قفرالاثر فی صفو علم الاثر، ابن الحنبلی ○ لفة الاریب فی مصطلح آثار الحبیب،

الحافظ الزبیدی ○ جواب الحافظ المنذری عن اسئلة فی الجرح والتعدیل ○ التبیان لبعض المباحث المتعلقة بالقرآن' العلامة الجزائری ○ الحلال والحرام وبعض قواعدهما فی المعاملات المالیة' ابن تیمیة ○ رسالة المسترشدین' الامام الحارث المحاسبی ○ رسالة الالفة بین المسلمین' امام ابن تیمیة ومعها رسالة فی الامامة' للامام ابن حزم الظاهری وغیرہ (ایضاً' ص ۳۷)۔

شیخ محمد محمود الصواف

شیخ محمد محمود الصواف (۱۹۱۵ء - ۱۹۹۲ء) اوائل شوال ۱۳۳۳ھ مطابق ۱۹۱۵ء میں شمالی عراق کے شہر الموصل میں پیدا ہوئے۔ آغاز عمر ہی سے طلب علم کے بڑے دل دادہ اور حریص تھے۔ جن شیوخ سے آپ نے بچپن میں استفادہ کیا ان میں شیخ عبداللہ النعمۃ سرفہرست ہیں۔ آپ کے ہاتھ سے ۱۹۳۶ء میں شیخ الصواف نے اجازہ حاصل کیا۔ استاذ نے جب جمعیة الشبان المسلمین کی بنیاد رکھی تو شیخ الصواف اس کے سب سے کم سن رکن تھے۔ علوم شریعت کی تحصیل کے لیے جامعہ الازہر کا رخ کیا اور چھ سالہ نصاب کی تکمیل تین سال ہی میں کر لی۔ چار سال کی جگہ دو سالوں میں عالمیت کا نصاب اور دو سالوں کے بجائے ایک سال میں تخصص کا کورس مکمل کر لیا۔ طالب علم کی ذہنی استعداد اور محنت و قابلیت کو دیکھ کر شیخ الازہر مصطفیٰ المراغی [1] (۱۸۸۱ء-۱۹۴۵ء) نے فرمایا: "بیٹے' تم نے تو معجزہ کر دکھایا۔ الازہر میں وہ کارنامہ انجام دیا جو یہاں کے لیے بالکل نیا ہے" (مصطفیٰ محمد الطحان' حاضر العالم الاسلامی عام ۱۹۹۲م' المرکز العالمی للکتاب الاسلامی' کویت' ۱۹۹۲ء' ص ۶۸)۔

ازہر میں تعلیم کے دوران آپ کی ملاقات امام حسن البنا شہید سے ہوئی اور ۱۹۴۶ء میں جب آپ بغداد واپس آئے تو اخوان المسلمون میں شامل ہو چکے تھے۔ بغداد آکر کلیة الشریعة میں استاذ مقرر ہو گئے۔ مگر جلد ہی طلبہ میں مقبولیت کی وجہ سے حاسدین کی سازشوں کا شکار ہوئے اور آپ کو اس ملازمت سے معطل کر دیا گیا اور وزارت المعارف میں انسپکٹر کے عہدہ پر آپ منتقل کر دیے گئے۔ ۱۹۴۷ء میں تقسیم فلسطین کی قرارداد منظور ہوئی تو شیخ الصواف نے عراقی عالم شیخ امجد الزہاوی" کی نگرانی میں جمعیة انقاذ فلسطین قائم کی اور عراق کے طول و عرض میں دورے کر کے عامتہ الناس کو یہودیوں کے خلاف جہاد کرنے کے لیے آمادہ کیا۔ وہ ملک کے مختلف علاقوں سے مجاہدین کے دستے فلسطین بھیجنے لگے اور عوام کے تعاون سے اسلحے کی خریداری کے لیے بڑی رقوم جمع کیں۔ بغداد میں مسئلہ فلسطین کی حمایت میں متعدد جلسوں اور جلوسوں کی قیادت کی۔ جرأت و شجاعت اور بے خوفی آپ کا طرۂ امتیاز تھی۔ عراقی حکومت نے اصرار کیا کہ دونوں ملکوں کے درمیان وحدت کا پیغام لے کر وہ شام کا سفر کریں اور حکومت کی نمایندگی کرتے ہوئے اتحاد کے امکانات کا جائزہ لیں۔ شیخ نے حکومت کی نیت بد تاڑ کر اس پیش کش کو مسترد کر دیا

اور نتیجے کے طور پر عتاب کا نشانہ بنے اور ملازمت سے برطرف کر دیے گئے مگر قلندرانہ جاہ و جلال سے دست بردار نہ ہوئے۔ انھوں نے استعمار کا مقابلہ کرنے اور دعوت دین کے مقاصد کو منظم کرنے کے لیے جمعیۃ الاخوۃ الاسلامیۃ کی بنیاد رکھی۔

شام میں جب کیمونسٹ برسراقتدار آئے اور انھوں نے بدترین ملوکیت کا مظاہرہ کیا تو شیخ الصواف ان کے مظالم کا خصوصی ہدف بنے۔ کیمونسٹ جمعیۃ انقاذ فلسطین کے دفتر پر حملہ آور ہوئے' وہاں کا سارا سازوسامان لوٹ لیا اور عمارت میں آگ لگا دی۔ انھوں نے بغداد کی مسجد ابوحنیفہ کو بھی معاف نہ کیا۔ شیخ یہاں درس دیا کرتے تھے۔ کیمونسٹوں نے مسجد کے اندر آگ لگا دی اور اس کا الزام شیخ الصواف کے سر تھوپ کر انھیں گرفتار کر لیا۔ حکومت کے کارندے روزانہ شام کو شیخ کو پکڑ لے جاتے تھے اور نماز فجر کے وقت انھیں واپس کرتے تھے تو ان کے پاؤں ورم زدہ اور جسم مختلف ضربات کی آماجگاہ ہوتا تھا۔ پولیس دھمکیاں دیتی تھی: "ہم تمھارے ساتھ وہی سلوک کریں گے جو ناصر نے اخوانیوں کے ساتھ کیا ہے"۔ وہ ڈراتی تھی کہ حکومت جلد ہی تمھیں قتل کر دے گی۔ آپ کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلا اور آپ جیل میں ڈال دیے گئے۔ بغداد کے قریب ـعقوبہ جیل میں آپ کو رکھا گیا تاآنکہ عبدالکریم قاسم نے آپ کو رہا کیا۔ اس کے بعد شیخ نے عراق کو خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا۔ چھپتے چھپاتے دمشق پہنچے اور وہاں سے سعودی عرب چلے گئے جہاں کلیۃ الشریعۃ مکہ میں آپ نے مدرس کا فریضہ انجام دینا شروع کیا۔

شاہ فیصل شہید (۱۹۰۶ء-۱۹۷۵ء) [۴] نے اپنے دور حکومت میں شیخ الصواف کو اپنا مخصوص نمایندہ بنا کر مختلف عرب اور مسلم حکومتوں کے پاس اپنا پیغام دے کر بھیجا۔ شیخ نے ایک کتاب لکھی ہے رحلاتی الی الدیار الاسلامیۃ (مسلم ممالک میں میرے اسفار)۔ اس میں شیخ نے افریقہ و ایشیا کے مسلمان ملکوں کی سیاحت اور وہاں کے سربراہوں سے اپنی ملاقاتوں کا حال لکھا ہے۔ شاہ فیصل سے شیخ کو بڑی عقیدت و محبت تھی' وہ انھیں شہید القدس کہتے تھے۔ ایک مجلس میں شیخ نے یہ چشم دید حقیقت بیان کی کہ جون ۱۹۶۷ء میں یہودیوں کے ہاتھوں بیت المقدس کی بے حرمتی کا المیہ پیش آیا تو شاہ فیصل نے تین دنوں تک غم و الم کے مارے کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔ شیخ کہا کرتے تھے کہ شاہ فیصل نے آزادی فلسطین کے حصول کے لیے لشکر جہاد تیار کرنے کا عزم کر لیا تھا اور اسی وجہ سے وہ شہید کر دیے گئے۔

شیخ الصواف آخری سالوں میں استنبول میں مقیم ہو گئے تھے۔ وہاں ارباب ثروت سے مالی تعاون وصول کر کے حفظ قرآن کے مختلف مدارس اور مراکز کی مدد کیا کرتے تھے۔ استنبول کے ہوائی اڈے پر ۱۲ ربیع الثانی ۱۴۱۳ھ مطابق ۹ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو آپ کا انتقال ہوا تو ترکی حکومت نے مقبرہ الفاتح استنبول میں آپ کی تدفین کی تجویز رکھی لیکن آپ کی وصیت کے مطابق مکہ مکرمہ میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ زندگی کے

اخیر ایام میں اسلام پسندوں کے درمیان مفاہمت کی کوشش آپ کی اولین ترجیح رہتی تھی۔ استنبول ہوائی اڈے سے وفات سے چند لمحات پہلے اپنے بیٹے ڈاکٹر مجاہد کو ٹیلی فون پر خبر دی کہ "میں استنبول ہوائی اڈے سے بول رہا ہوں۔ بس اب جہاز پر سوار ہونے والا ہوں۔ ان شاء اللہ چند گھنٹوں میں تم لوگوں کے پاس ہوں گا۔ وہاں سے کابل کے سفر کا انتظام کر لیا گیا ہے"۔ بیٹے نے جواباً کہا کہ کابل کا سفر خطرناک ہے کیونکہ مجاہدین کے درمیان آپس میں جنگ ہو رہی ہے۔ شیخ نے فوراً کہا کہ "اسی لیے تو میں وہاں فوراً پہنچنا چاہتا ہوں"۔ شیخ نے مختلف علمی و دینی موضوعات پر متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

○ المسلمون وعلم الفلک (علم فلکیات اور مسلمان) ○ المخططات الاستعماریة لمکافحة الاسلام والمسلمین (اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑنے کے لیے سامراجی منصوبے) ○ القیامة رای العین ○ تعلیم الصلوة ○ الصیام ○ زوجات النبی الطاهرات ○ رحلاتی الی الدیار الاسلامیة (المجتمع' شمارہ ۱۲۷۰' ۶ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۸ھ / ۷ اکتوبر ۱۹۹۷ء' ص ۵۱)۔

ڈاکٹر نجیب الکیلانی

ڈاکٹر نجیب الکیلانی (۱۹۳۱ء - ۱۹۹۵ء) ایک مصری گاؤں شرشابہ میں ایک کسان خاندان میں ۱۹۳۱ء میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۹ء میں طنطا سے ثانویہ کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا۔ پھر میڈیکل کالج قاہرہ یونی ورسٹی میں داخلہ لیا۔ ابھی آخری سال کے طالب علم تھے کہ ۱۹۵۵ء میں اخوان المسلمون سے تعلق رکھنے کے جرم میں گرفتار کر لیے گئے۔ مقدمہ چلا اور ۱۰ برس قید کی سزا ہوئی۔ وہ سجن حربی' سجن اسیوط' سجن القناطر' سجن مصر العموی' سجن القاہرہ' ابوزعبل اور طرہ کے قیدخانوں میں بدترین سزائیں برداشت کرتے رہے۔ آخرکار صحت کی تشویش ناک صورت حال کی وجہ سے ۱۹۵۹ء میں رہائی نصیب ہو گئی۔ تعلیم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور ۱۹۶۰ء میں طب کی ڈگری حاصل کی۔ طبابت کے پیشہ کے ساتھ ناول' ڈرامے اور قصے بھی برابر لکھتے رہے مگر یہ ساری تخلیقات تعمیری' بامقصد اور ظلم کی اندھی بہری قوتوں کے خلاف صداے رُستاخیز ہوتی تھیں۔ ۱۹۶۵ء میں جمال عبدالناصر نے ماسکو سے اعلان کیا کہ ان تمام افراد کو دوبارہ گرفتار کر لیا جائے جو اس سے پہلے پابند سلاسل رہ چکے ہیں۔ ڈاکٹر کیلانی پھر ایک بار پس دیوار زنداں دھکیل دیے گئے اور جولائی ۱۹۶۷ء کی شکست کے بعد ہی وہ آزاد ہو سکے۔ دار و گیر کے ان صبر آزما مراحل نے آپ کی تحریروں میں سوز و گداز بھی پیدا کیا اور جہادی للکار بھی۔ وہ زندگی بھر ظلم و جبر کے خلاف تیغ براں رہے اور عدل و اخوت' مساوات و حریت اور حقوق انسانی کے احترام کے وکیل اور نمایندے رہے۔

ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے ۷۰ سے زائد کتابیں لکھیں۔ موضوعات کے تنوع' جذبہ کی حرارت اور سادہ و عام فہم ادب کی وجہ سے معاصر اسلام پسند ادیبوں میں ان کا نام بڑا ممتاز ہے۔ انھوں نے ناول' قصہ' شعر'

تنقید' فکر اسلامی اور طب کے تمام پہلوؤں پر قلم اٹھایا ہے اور بامقصد اور تعمیری ادب کے ذخیرہ کو مالا مال کیا ہے۔ وہ زندگی بھر اس نقطۂ نظر کی حمایت و وکالت کرتے رہے کہ دین اور ادب و فن میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ جن لوگوں نے تصادم اور تفریق پیدا کی ہے وہ مذہب اور اسلام کے دشمنوں کے آلہ کار بن کر ان کے مخصوص مفادات کی تکمیل کر رہے ہیں یا پھر وہ کم فہمی اور لاعلمی کا شکار ہیں اور اسلامی شریعت کے مزاج اور اس کی روح سے نا آشنا ہیں۔ اسلام ترقی یافتہ ادب اور فن کا مخالف کیسے ہو سکتا ہے۔ وہ تو اس کی ہمت افزائی کرتا اور ایسے ادب کی تخلیق پر زور دیتا ہے۔ مسلمان روح اور جسم دونوں کا مرکب ہے اور دونوں کے تقاضوں کی تکمیل اسلامی اخلاق و آداب کے دائرہ میں رہ کر کرتا ہے۔ کویت کے جریدہ القدس کو ۱۹ جنوری ۱۹۸۱ء کو انٹرویو دیتے ہوئے ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے بیان کیا کہ:

> میں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک شاعر کی حیثیت سے کیا۔ میں بس شعر کہتا تھا اور وہ بھی زیادہ تر سیاسی اور جذباتی اشعار ہوا کرتے تھے۔ پھر میں نے ناولوں کی طرف توجہ دی اور وزارت تربیت و تعلیم کے ایک بڑے مقابلے میں اپنا ناول الطریق الطویل (لمبا راستہ) لے کر شریک ہوا۔ یہ دراصل دوسری جنگ عظیم اور مصری معاشرے بطور خاص گاؤں پر اس کے اثرات پر مشتمل تھا۔ ناول نگاری کی یہ میری پہلی کوشش تھی۔ میں نے انعام حاصل کیا۔ حالانکہ اس وقت میں جیل میں تھا۔ یہ میری خوش قسمتی تھی کہ شرکا کے نام اصلی نہ تھے اور کوڈ نمبر کی وجہ سے انھیں پہچاننا آسان نہ تھا۔ نتائج کے اعلان کے بعد ہی لوگوں کو معلوم ہو سکا کہ انعام یافتہ ایک قیدی ہے۔ میں نے عرب اسلامی معاشرے کے مسائل پر متعدد چھوٹے چھوٹے قصے لکھے جیسے ارض الانبیا (سرزمین انبیا) عمر یظهر فی القدس (بیت المقدس میں حضرت عمرؓ کا ظہور) لیالی ترکستان (ترکستان کی راتیں) عمالقة الشمال (شمال کے عمالقہ) عذراء جاکرتا (جکارتہ کی دوشیزہ) الیوم الموعود (صلیبی جنگوں پر ناول) قاتل حمزة (اسلامی دور پر ناول) وغیرہ۔

ان ناولوں میں سے عذراء جاکرتا دراصل اس کش مکش اور تصادم کی کہانی ہے جو انڈونیشیا میں اسلام اور کمیونزم کے درمیان مدتوں جاری رہی اور ڈھائی لاکھ سے زیادہ مسلمان جس کی بھینٹ چڑھ گئے۔ اس ناول کا ترجمہ انڈونیشی زبان میں بھی ہوا۔ عمالقة الشمال میں نائیجیریا کے مسلمانوں کی مشکلات اور مسائل کو ناول کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے جب کہ لیالی ترکستان میں ترکستانی مسلمانوں پر سایہ فگن ظلم و جبر کی سیاہ راتوں کو ناول کی شکل دی گئی ہے۔ الظل الاسود میں مصنف نے حبشہ کے مسلمانوں پر ہوئے مظالم کی نقاب کشائی کی ہے۔ اس میں ڈاکٹر کیلانی نے اری ٹیریا کے انقلاب سے تاریخی دستاویزات حاصل کیے ہیں۔ تاریخی ناولوں میں امرأة عبدالمتجلی' مملكة العنب اور اقوال ابوالفتوح الشرقاوی بہت اہم

سمجھے جاتے ہیں۔

شعروشاعری کے میدان میں مصنف نے تقریباً ۱۰ دیوان شائع کیے جیسے عصر الشہداء' اغانی الغربا' اغنیات اللیل الطویل' مدینۃ الکبائر' نحوالعلاء' مہاجر اور کیف الفاک؟

تنقید کے میدان میں مصنف کی درج ذیل مطبوعات بڑی اہم ہیں: الاسلامیۃ والمذاہب الادبیۃ' اقبال الشاعر الثائر' مدخل الی الادب الاسلامی' رحلتی مع الادب الاسلامی' آفاق الادب الاسلامی۔

ڈراما نگاری کے میدان میں مصنف نے قدم رکھا تو بڑے مقبول اور اہم ڈرامے لکھے جیسے علی اسوار دمشق' حول المسرح الاسلامی' نحو مسرح اسلامی (یہ دونوں کتابیں اسلامی ڈراما نگاری کے اصول و مبادیات سے متعلق ہیں) اور علی ابواب خیبر وغیرہ۔ فکری مسائل پر بھی مصنف کی تخلیقات بڑی وقیع اور قابل قدر ہیں جیسے تحت رایۃ الاسلام (اسلام کے پرچم تلے)' الطریق الی اتحاد اسلامی (اسلامی اتحاد کی راہ)' اعداء الاسلامیۃ (اسلامیت کے دشمن)' اور حول الدین والدولۃ (دین اور مملکت کے مسائل)۔

ڈاکٹر نجیب الکیلانی نے ۲۴ سال کی جلاوطنی و غربت کی زندگی گزارنے کے بعد وطن واپسی کا منصوبہ بنایا۔ زندگی کے آخری ایام بڑے صبرو شکر کے ساتھ وطن ہی میں گزارے۔ آخرکار ۶ مارچ ۱۹۹۵ء کو زندگی و موت کے درمیان ایک طویل کشمکش کے بعد موت کو فتح حاصل ہوگئی اور مصر ہی میں آپ کی تدفین عمل میں آئی۔ اخوان المسلمون اور اس کے بانی کی پُرکشش شخصیت اور اس کے ہمہ گیر اثرات کا تذکرہ موصوف نے اپنی خود نوشت لمحات من حیاتی (میری زندگی کے چند لمحے) میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس سے موصوف سے جذباتی وابستگی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> بلاشبہ مصر ماضی و حال میں دنیا میں اسلام کی ضیاپاشی کا مرکز رہا ہے۔ اس کے اسلام پسند علما اور مفکرین کی تصنیفات وہ قیمتی توشا ہیں جس سے روے زمین میں پھیلے ہوئے فرزندان امت مسلمہ خوراک حاصل کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں جنم لینے والی اس کی سب سے بڑی اسلامی تحریک' جس کی کرنیں امام شہید حسن البنا نے چاردانگ عالم میں پھیلائیں' دعوت اسلامی کے میدان میں کام کرنے والوں کے لیے مینارۂ نور ہے۔ یہ تحریک اپنے تمام واقعات' اپنی میراث' اپنے مردان کار اور اپنے دائمی معرکوں کے ساتھ ایک اہم تاریخی تجربہ ہے جو حرکت و عمل کی دعوت دیتا اور مسلسل آمادۂ پیکار رہنے پر ابھارتا ہے۔ اس تحریک نے ہر ملک کے مؤرخین اور محققین کی توجہ حاصل کرلی ہے یہاں تک کہ روس' امریکہ اور مشرقی و مغربی یورپ میں بھی اس پر مطالعہ اور تحقیق کے مراکز قائم ہو چکے ہیں (المجتمع' شمارہ ۱۳۲۶' ۲۸ رجب ۱۴۱۹ھ / ۱۷ نومبر ۱۹۹۸ء' ص ۴۸-۵۰)۔

اخوان نے فکر و ادب کے میدان میں لازوال نقوش چھوڑے ہیں۔ ادیبوں اور قلم کاروں کی ایک بڑی کھیپ فراہم کی ہے جو پوری دنیا میں احیاے اسلام کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ یہاں تو مشتے نمونہ از خروارے چند ادیبوں اور قلم کاروں کا مختصر ترین خاکہ پیش کیا گیا ہے ورنہ یہ حکایت لذیذ بھی ہے اور طویل ترین بھی۔

حواشی

(۱) محمد بن مصطفیٰ بن محمد بن عبدالمنعم (معروف محمد مصطفیٰ المراغی) (۱۸۸۱ء-۱۹۴۵ء) مصر کے مشہور مصنف اور داعی اصلاح و تجدید بالاے مصر کے علاقہ جرجا کے ایک گاؤں المراغہ میں پیدا ہوئے۔ قاہرہ میں تعلیم حاصل کی۔ مفتی محمد عبدہ کی شاگردی اختیار کی۔ مختلف عہدوں پر فائز رہے۔ شرعی قضا کی ذمہ داری نبھائی۔ ۱۹۰۸ء-۱۹۱۹ء میں سوڈان کے قاضی القضاۃ رہے۔ اسی دوران انگریزی زبان سیکھی۔ ۱۹۲۸ء میں الازہر کے شیخ مقرر ہوئے مگر ایک سال تک ہی اس عہدہ پر کام کر سکے۔ ۱۹۳۵ء میں دوبارہ اسی عہدے پر مامور ہوئے اور پھر تاحیات اس منصب پر کام کرتے رہے۔ اسکندریہ میں وفات ہوئی۔ قاہرہ میں جسد خاکی کی تدفین ہوئی۔ چند کتب کے نام یہ ہیں: ○ بحث فی ترجمة القرآن الکریم الی اللغات الاجنبية (یہ رسالہ قرآن کریم کے دوسری زبانوں میں ترجمہ کے دلائل پر مشتمل ہے) ○ تفسير سورة الحجرات ○ تفسير سورة الحديد وآيات من سورة الفرقان ○ تفسير سورة لقمان والعصر ○ الدروس الدينية (مختلف رسائل کا مجموعہ) ○ بحوث فی التشريع الاسلامی (اسلامی شریعت کے مختلف مباحث) ○ كتاب الاولياء والمحجورين۔

(۲) فیصل بن عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن الفیصل آل سعود (۱۹۰۶ء-۱۹۷۶ء) شہر ریاض میں ۱۴ صفر ۱۳۲۴ھ (۱۹۰۶ء) میں پیدا ہوئے۔ عنفوان شباب میں مملکت سعودی عرب کے نشو و استحکام کے لیے جاری متعدد معرکوں میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۷ء میں والد نے برطانیہ سے گفتگو کے لیے آپ کو نمایندہ بنا کر بھیجا جس کے نتیجے میں معاہدۂ جدہ پر دستخط ہوئے اور برطانیہ نے ملک عبدالعزیز کی حکومت کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد ایشیا و یورپ کے مختلف ملکوں میں متعدد کانفرنسوں میں حکومت کی نمایندگی کی اور عالمی فورمز میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ دوسری عرب چوٹی کانفرنس اور ۱۹۶۴ء میں مصر میں ناوابستہ ممالک کی کانفرنس کی صدارت کی۔ مملکت کے مختلف صوبوں کی گورنری' مجلس شوریٰ کی صدارت' وزارت خارجہ کی ذمہ داری اور آخر میں وزارت عظمیٰ کی قیادت کے مختلف مراحل میں آپ کی صلاحیت آزمودہ اور معترف تھی۔ چنانچہ والد محترم کے انتقال کے بعد ۱۹۵۳ء کو بھائی کو مسند نشین اور فیصل کو ولی عہد تسلیم کیا گیا اور ۱۱ برسوں کے بعد وہ موقع بھی آیا کہ ۱۹۶۴ء کو آپ مملکت سعودی عرب کے قانونی حکمران تسلیم کیے گئے۔ شاہ فیصل نے اپنے دور حکومت میں تین جہتوں میں کام کیا: مملکت کی ترقی و استحکام اور اس کی جدت کاری' اسلامی مجد و شرف کا احیا اور عرب اسلامی اتحاد کے لیے جدوجہد اور عربوں کے حقوق کی بازیافت۔ ۱۹۷۵ء کو اپنے بھتیجے فیصل بن مساعد بن عبدالعزیز کی گولیوں کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔

چند قیمتی "لمحات"

پروفیسر عبدالقدیر سلیم ○

خود نوشت' اس اعتبار سے سوانحی ادب کی ایک اہم صنف ہے کہ اس کے ذریعے قارئین کو نہ صرف کسی شخصیت کے اندر جھانکنے کا موقع ملتا ہے' بلکہ ایک عہد کے حالات کا ایسا مرقع دیکھنے کو ملتا ہے جو عام تاریخ کی کتابیں پیش نہیں کرتیں۔ برعظیم کے سوانحی ادب میں اس قبیل کی بہت سی خود نوشت سوانح حیات نظر آتی ہیں' مثلاً ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی یادوں کی دنیا' ظفرحسن ایبک کی آپ بیتی' سر علی رضا کی اعمال نامہ' احسان دانش کی جہان دانش' جوش ملیح آبادی کی یادوں کی بارات' سر ظفراللہ خاں کی تحدیث نعمت' قدرت اللہ شہاب کی شہاب نامہ' اور آل احمد سرور کی خواب باقی ہیں وغیرہ۔

مذکورہ کتابیں ایک لحاظ سے اپنی نوعیت کی نمایندہ مثالیں ہیں جن میں مصنفین اپنے مخصوص زاویے اور زندگی سے متعلق اپنے رویے کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس عنوان سے دیکھیں تو خرم جاہ مراد (م ۱۹ دسمبر ۱۹۹۶ء) کی لمحات اپنی نوعیت کی ایک منفرد "خودگفت" سوانح ہے۔ ایک تفصیلی اشاریے سمیت ۵۶۰ صفحات پر مشتمل اس "یادداشت" کو جو انھوں نے اپنے برادر خورد پروفیسر مسلم سجاد اور رفیق کار پروفیسر سلیم منصور خالد کی فرمایش پر اپنی حیات مستعار کے آخری چند ماہ میں ٹیپ پر ثبت کر کے لندن سے بھجوایا تھا' ایک شخص نہیں' بلکہ ایک تحریک اور ایک جماعت' جماعت اسلامی کے "ایک" خوردبینی مطالعے کی حیثیت سے دیکھا جا سکتا ہے۔ یہ پاکستان میں اسلام پسند طلبہ کی تحریک کے ایک کارکن اور پھر اس کے محبوب قائد کی یادوں کا ایک دل چسپ مرقع ہی نہیں' بلکہ جماعت اسلامی کے ایک صف اول کے رہنما کے سیاسی مشاہدات اور منفرد تجزیوں کا ایک ایسا خزینہ بھی ہے جو پاکستان کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے ایک بیش بہا دستاویز اور مآخذ (resource) ثابت ہو گا۔

لمحات میں خرم کی پوری شعوری زندگی ایک بامقصد سفر نظر آتی ہے: مقصدیت' مقصدیت' مقصدیت۔

○ وزٹنگ پروفیسر' انسٹی ٹیوٹ آف بزنس ایڈمنسٹریشن' کراچی

بعض اوقات تو قاری مسکرا کر (یا جھلا کر) پوچھ بیٹھتا ہے کہ آیا آپ کی زندگی کبھی بچپن' لڑکپن اور نوجوانی کے مراحل سے بھی گزری ہے؟ یا:

آں بہ پیری کودک و ایں پیر درعہد شباب!

کا معاملہ ہے۔ اگر جواب اثبات میں ہے' تو ان مراحل کے نشان اور سنگ ہائے میل بھی تھے یا نہیں؟ آپ نے کبھی متانت و سنجیدگی کا جامہ چاک کر کے نعرۂ مستانہ بھی لگایا؟ دانائی کی حدوں کو پھلانگ کر کبھی حماقتوں کی لذات سے بھی آشنا ہوئے؟

یہ پوری کتاب خرم کی زندگی کے ایک خط مستقیم کی داستان ہے۔ اس میں نشیب و فراز تو ہیں مگر سمت سفر سے انحراف کہیں نہیں۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ ۱: ۳-۴)۔ وہ ایسے لوگوں میں سے تھے' جن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات واضح' نمایاں اور فراواں نظر آتے ہیں' اور اس طرح یہ کتاب "تحدیث نعمت" کہی جانے کی واقعتاً مستحق ہے۔ انھیں حکمت و ایقان کا جو بیش بہا خزینہ ملا تھا' انھوں نے اسے بڑی فراخ دلی سے اپنی تحریر و تقریر کے ذریعے پھیلایا اور تقسیم کیا۔ پیش نظر کتاب غالباً اس سلسلے کی آخری کڑی ہے' جو ان کی طرف سے آئی ہے۔

خرم کے والد کا تعلق سرگودھا سے تھا' لیکن خرم کی ابتدائی زندگی اور تعلیم و تربیت بھوپال (ہند) کی مسلم ریاست میں ہوئی۔ والدہ اور بڑی بہنیں جماعت اسلامی کے ابتدائی دور (پٹھان کوٹ) ہی میں اس تحریک سے وابستہ ہو گئی تھیں۔ لیکن ان کے والد (دینی رجحان کے باوجود) اسے پسند نہ کرتے تھے۔ بہرحال کشیدگی کے اس گھریلو ماحول میں خرم کا بچپن گزرا جس میں والد صاحب جماعت اسلامی کے مخالف اور والدہ اور بڑی بہنیں' زبردست حامی تھیں۔ اسی زمانے میں ۸' ۹ سال کی عمر میں ہم خرم کو "اپنی افسردہ آپا" سے یہ کہتا ہوا پاتے ہیں: "میں جب بڑا ہو جاؤں گا تو جماعت اسلامی کا کام کروں گا" (ص ۳۹)۔

خرم کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "جو وابستگی جذبات کی بنیاد پر استوار ہو جائے' وہ غالباً آزمایش میں بھی بڑی پائے دار ثابت ہوتی ہے۔ اس کے مقابلے میں جو وابستگی عقلی ہوتی ہے وہ غالباً کمزور ثابت ہوتی ہے"۔ اپنی والدہ اور بہنوں سے اسی وابستگی کے بارے میں ان کا گمان ہے کہ تحریک کے ساتھ ان کے کمٹ منٹ کا باعث یہی بنی۔ بہرحال یہ بات مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے دعوتی نقطۂ نظر اور حکمت عملی سے متغائر محسوس ہوتی ہے کہ ان کی ساری دعوت میں زور غور و فکر' تدبر و تعقل ہی پر نظر آتا ہے کہ ان کے نزدیک کسی تحریک سے مستحکم وابستگی کی بنیادیں یہی ہو سکتی ہیں۔

اس طرح عوامی لیگ کے ایک بااثر خاندان سے ان کے گہرے روابط ہو گئے' اور سوا دو سال بعد جب پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد ہر غیر بنگالی اور "بنگلہ دیش" کے مخالف کا خون مشرقی پاکستان میں

مباح ہو چکا تھا، انھیں اسی گھرانے میں پناہ ملی۔ یوں وہ قرآنی حکم "برائی اور بھلائی برابر نہیں ہوتے" کی عملی تفسیر کے ذریعے ایک واضح پیغام دیتے نظر آتے ہیں۔

بھوپال سے کراچی آنے کے بعد ان کا خاندان اپنے ماموں زاہد حسین کے ہاں مقیم ہوا (جو اسٹیٹ بنک آف پاکستان کے پہلے گورنر بنے)۔ اس وقت "حکومت اور جماعت [اسلامی] کے درمیان "قرارداد مقاصد" کے مسئلے پر کش مکش چل رہی تھی.... اس میں میرے جذبات، تمنائیں، آرزوئیں اور ہمدردیاں جماعت اسلامی اور پاکستان کو اسلامی ریاست بنانے کی کوششوں کے ساتھ تھیں" (ص ۶۶)۔ مگر حکومت اور مقتدر اشخاص اس طرح کی کوششوں کے سخت مخالف تھے۔ یہی فضا ان کے ماموں کے گھر کی بھی تھی (ممانی، آل پاکستان ویمنز ایسوسی ایشن کی فعال کارکن تھیں)۔ یہیں گھر میں یہ تک بھی سنا کہ "مولانا مودودی کو پھانسی پر چڑھا دینا چاہیے" (ص ۶۷)۔ بہرحال اس فضا میں وہ جماعت اور پھر اسلامی جمعیت طلبہ تک پہنچے، کراچی کے ناظم بنے، منصوبہ بندی کے تحت اجتماعات، تربیتی پروگراموں، مطالعے اور تقریر کی مشق کی، اور یہیں ان کا تعارف خورشید احمد، ظفراسحٰق انصاری، محمد عمر چھاپرا، منظور احمد اور بہت سے دوسرے طلبہ سے ہوا، جنھوں نے اپنے شعبوں میں اختصاص پیدا کیا، جمعیت میں شامل ہوئے، ان میں سے بعض تحریک میں شامل ہو کر آگے بڑھتے چلے گئے اور بعض جماعت اسلامی کے قائدین کی جگہیں سنبھالتے گئے، کچھ خاک کا رزق ہوئے اور کچھ دنیا کا۔

یوں، اپنے کالج کی ابتدائی زندگی ہی میں برعظیم میں اسلام کی سربلندی کے لیے اٹھنے والی لہر کے ساتھ انھوں نے اپنے آپ کو وابستہ اور ہم آہنگ کر لیا تھا۔ ان کی یہ شعوری وابستگی ان کی زندگی کے آخری لمحوں تک بغیر کسی وقفے اور تذبذب کے جاری رہی۔ انھیں اعتراف ہے کہ وہ اچھے مقرر نہیں تھے، لیکن جب انھوں نے محسوس کیا کہ جس مشن کے ساتھ انھوں نے خود کو وابستہ کر لیا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی تقریری صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں تو انھوں نے اس کے لیے محنت کے ساتھ کوشش کی اور کامیاب رہے (ص ۱۶۱-۱۶۴)۔ وہ کبھی عوامی مقرر تو نہ بن سکے، اور نہ شاید یہ ان کا مقصد تھا، لیکن سنجیدہ موضوعات پر سیرحاصل علمی گفتگو کا انھوں نے وہ ملکہ پیدا کر لیا، جو اُن کے قائد اور نمونۂ کردار (سید مودودیؒ) کا ایک منفرد انداز اور اعزاز تھا۔

انھوں نے اپنی تحریری صلاحیتوں کو بڑھانے کی نہایت شعوری طور پر کوشش کی۔ وہ اعتراف کرتے ہیں کہ شروع میں اپنی تحریر و تقریر میں انھوں نے مصری مسلم اصحاب قلم کی تحریروں سے خوب استفادہ کیا (ص ۱۸۲، ۱۸۷، ۱۸۸)۔ جن کا انداز عموماً علمی اور منطقی ہوتا تھا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد میں خرم نے جو کتابیں، مضامین لکھے، ان میں ان کا ایک منفرد اسلوب جھلکتا ہے جس میں ایک جذباتی اپیل بھی ہے، اور

قوت کے ساتھ دعوت عمل بھی۔ اگرچہ پیش نظر کتاب میں بھی ان کی عملیت کے لیے اپیل نہایت واضح ہے، تاہم اس میں بھی ان کی ابتدائی تحریروں کی طرح، ان کے "مثالی" مصنفین کی سادگی اور غیر جذباتی اسلوب نگارش کا رنگ نمایاں ہے۔

ان کی سرگرمی کے اس ابتدائی دور میں، جمعیت کو اپنے کاموں کو پھیلانے کے سلسلے میں پہلی دفعہ مالی امداد کے لیے اپنے حلقے سے باہر دیکھنے کی ضرورت پڑی۔ انعام اللہ خاں (موتمر عالم اسلامی کے سیکرٹری) نے میمن تاجروں سے متعارف کرایا اور جمعیت کا "وسیع المشربی اور وسیع الظرفی" کا مزاج بننا شروع ہوا۔ "اس تجربے نے ہمیں ہمت اور حوصلہ دیا کہ باہر جا کر خیر اور بھلائی کے کاموں کے لیے مال دار لوگوں کی مدد اور ان کا تعارف حاصل کریں" (ص ۹۸)۔ اس سلسلے میں ان کے ماموں زاہد حسین نے بھی اپنا اثرورسوخ استعمال کیا۔ "اسٹوڈنٹس سروس یونٹ" جیسی تنظیم بنائی گئی، اور وہ اس کے سرپرست بنے۔ اس وقت کے معروف تاجر خانوادوں نے اس میں دل چسپی لی، اور اس طرح جمعیت (اور پھر تحریک اسلامی) کے لیے اہل ثروت کی سرپرستی اور تعاون کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

خرم ۱۹۷۰ء اور بعد کے انتخابی معرکوں کے سلسلے میں یہ شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کہ غریبوں کے مسائل، زمین داروں کے خاتمے/تحدید اور معاشرتی اور معاشی انصاف کو انتخابی منشور میں بھرپور طریقے سے پیش نہیں کیا گیا۔ اس باب میں سست روی کی جڑیں ۵۰ کے عشرے کے ابتدائی برسوں میں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ اس کا نقصان جماعت کو بعد میں اٹھانا پڑا کہ "سوشلزم کے حوالے سے جماعت نے بہت سخت موقف اختیار کیا تھا" (ص ۴۶۳)۔ خرم اعتراف کرتے ہیں کہ ہماری سوچ، فکر اور مزاج، "متوقع نتائج اور درست تخمینے" تک پہنچنے میں رکاوٹ بنے اور یہ کہ "معاشی عدل کے مختلف پہلوؤں پر سوچ بچار یا اس کے اظہار، ترجیحات اور ابلاغ میں ہم واقعی بہت پیچھے تھے۔ منشور پر گفتگو کے دوران میں نے یہ تجویز پیش کی کہ، ہم یہ بات کہیں کہ کارخانوں کو چلانے کے لیے، بورڈ آف ڈائرکٹرز میں مزدوروں کے منتخب نمایندے بھی لیے جائیں گے، مگر یہ تجویز منظور نہیں کی گئی تھی۔ اس پر خود مولانا مرحوم نے یہ موقف اختیار کیا کہ جلاؤ، گھیراؤ کرنے اور ٹریڈ یونین پر پیشہ ور قابض لوگوں کو حصہ دار بنانے پر کون تیار ہو گا؟" (ص ۴۴۵)۔ ظاہر ہے کہ دست نگر اور ممنون احسان سے آزاد پالیسی سازی کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ خرم یہ بات کھل کر تو نہیں کہتے، لیکن بین السطور وہ اعتراف کرتے ہیں کہ بوجوہ وہ عوامی مسائل اور معاشی طور پر پس ماندہ طبقوں کے سامنے ان کے دکھوں کا درماں پیش نہیں کر سکے۔ لیکن اس اعتراف میں بھی وہ تحفظات کے ساتھ بات کرتے ہیں۔

خرم اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے میں صلاحیت تامہ رکھتے ہیں، ان کے کسی بھی قاری نے شاید ہی یہ

شکایت کی ہو کہ ان کی بات سمجھنے میں دشواری ہوتی ہے' لیکن اس کتاب میں بعض جگہ ایسا محسوس ہوتا ہے۔ ممکن ہے اس وجہ سے ہو کہ یہ گفتہ [ٹیپ کیا ہوا بیانیہ] ہے' انھیں شاید نظرثانی کا موقع نہ ملا۔ یا شاید یہ کہ وہ کسی ذہنی کش مکش کا شکار رہے کہ وہ جو بات کہنا چاہتے ہیں' وہ ان کے اور ان کے ساتھیوں کے موقف سے کسی حد تک متغائر ہے' مثلاً ۱۹۷۰ء کی انتخابی مہم کے بارے میں وہ کہتے ہیں: ہمارے مقابلے میں بھٹو صاحب کا زور صرف تین الفاظ پر تھا: روٹی' کپڑا اور مکان۔ ان تین الفاظ میں سب کچھ تھا--- اب یہ کہنا کہ "یہ تو سب جھوٹ تھا"' مجھے اس بات سے بھی اتفاق نہیں۔ لوگوں کی معاشی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے جدوجہد کرنا بالکل درست بات ہے جس کے ہم خود بھی علم بردار ہیں۔ یہ سوچنا کہ بھٹو صاحب نے لازمی طور پر سب کو روٹی' کپڑا اور مکان دینے کا وعدہ کیا تھا' یا سب لوگوں نے صرف اور صرف اسی بنا پر ووٹ دیا تھا کہ یہ چیزیں' ان کی ملکیت ہو جائیں گی' ایک خلاف واقعہ بات ہے۔ انھوں نے ان چیزوں کی فراہمی کا وعدہ کیا تھا' لازمی طور پر ہر ایک کو بہم پہنچا دینے کا لازمی وعدہ نہیں کیا تھا" (ص ۴۶۳)۔

خرم مراد کی دوسری تحریروں اور تقریروں کی طرح اس کتاب میں بھی ان کا مخصوص دعوتی طرز غالب ہے۔ ساڑھے پانچ سو صفحے کی اس کتاب میں ان کی ذاتی زندگی کے بارے میں معلومات بہت کم ہیں۔ طالب علمی کے زمانے سے ۱۹۷۲ء میں ڈھاکہ چھاؤنی سے بھارت میں جنگی کیمپ منتقلی تک کے اس سفر حیات میں ان کی ذاتی زندگی کے وہی گوشے سامنے آتے ہیں' جن کا تعلق ان کی تحریکی زندگی سے ہے' اور جن سے نہ صرف کارکنوں بلکہ عام قاری کو بھی ایک بہتر فکروکردار کی طرف رہنمائی ملتی ہے۔ ۱۹۶۹ء میں مجیب/بھاشانی کے حامی غنڈوں نے اسلامی جمعیت طلبہ کے ناظم محمد عبدالمالک کو شہید کیا تھا' تو جمعیت کی طرف سے جو ایف آئی آر درج کرائی گئی اس میں عوامی لیگ کے ایک اہم عہدے دار کے بیٹے کا نام بھی درج کرا دیا گیا۔ وہ غالباً بے گناہ تھا۔ خرم نے اس کی جان بچائی' اسے اپنے گھر میں پناہ دی اور فوجی کارروائی سے بچانے کے لیے اسے مغربی پاکستان بھجوانے میں مدد کی۔

نصف سے زیادہ کتاب "مشرقی پاکستان" کے تجربات پر مشتمل ہے۔ وہاں جماعت اسلامی' اسلامی جمعیت طلبہ اور جمعیت طلبہ عربیہ (جس کو تحریکی انداز دینے والے وہ خود تھے) مسلم لیگ' عوامی لیگ' نظام اسلام پارٹی' بھاشانی کی تحریک' ایوب خان کے خلاف تحریک' یحییٰ خان کا مارشل لا' ۱۹۷۰ء کے انتخابات اور اس کے نتیجے میں عوامی لیگ کے عروج' جمہوری عمل کی ناکامی اور فوجی مداخلت' عوامی اور فوجی تشدد' ان سب باتوں میں وہ نہ صرف مشرقی تھیٹر میں ایک مستغرق تماش بین تھے بلکہ متعدد مناظر میں خود بھی ایک کردار تھے۔ یہاں پہلی بار یہ محسوس ہوتا ہے کہ ان کی فکر' جو تحریک کی رَووں (currents) سے ہٹ کر ہوتی تھی' نسبتاً واضح انداز میں سامنے آتی ہے۔

۱۹۷۰ء کے عام انتخابات کے موقع پر نہ صرف یہ کہ انھیں کراچی میں "شوکت اسلام" کے جلوس کی بنیاد پر کراچی یا مغربی پاکستان میں کسی خاص کامیابی کی توقع نہ تھی، بلکہ مشرقی پاکستان میں بھی اُن کا خیال تھا کہ جماعت کوئی کامیابی حاصل نہ کر سکے گی۔ وہ کہتے ہیں: "ہمارا ڈھانچہ اور مزاج بلاشبہ ایک فضا کو تیار کر سکتا ہے لیکن اس کو cash نہیں کرا سکتا۔ واقعی یہ بہت بڑا لمحہ فکریہ ہے" (ص ۴۷۷)۔ انھیں مغربی پاکستان میں بھی تین، چار نشستوں سے زیادہ کی توقع نہیں تھی، اور اس وقت یہی ہوا۔ ان کے خیال میں، "جماعت کی تاریخ کا یہ سب سے زیادہ اعصاب شکن واقعہ تھا۔ اس واقعے نے مولانا مودودی پر، جماعت پر، جماعت کے کارکنوں پر، اور جماعت کی مستقبل کی قیادت پر بڑے گہرے اثرات ڈالے۔ لیکن میرا ذہن اس لحاظ سے پُرسکون تھا کہ میرے لیے یہ ایک بالکل متوقع حادثہ تھا... میں اطمینان سے گھر گیا اور جا کر لیٹ گیا... جب کہ دوسرے لوگ ریڈیو، ٹیلی ویژن سنتے اور دیکھتے رہے" (ص ۴۷۸)۔

مشرقی پاکستان کے بارے میں بھی وہ یہ سوچتے تھے کہ وہاں ایک زبردست لہر ہے: "مگر ہم اس لہر کے خلاف کھڑے ہیں اور ایسا پروگرام پیش کر رہے ہیں جس کے بارے میں ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ اس سے بنگالیوں کے حقوق کا حصول ممکن ہے۔ اہل مشرقی پاکستان کے ساتھ سیاسی، سماجی اور معاشی سطح پر ہونے والی ساری ناانصافیوں کا بھی اس میں ازالہ موجود ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ اس سے بہت کم موثر پروگرام ہے، جتنا کہ عوامی لیگ پیش کر رہی ہے... کیا سیاسی اور معاشی استحصال کے خلاف بھرپور آواز اٹھانا صرف سیکولر جماعتوں کا حق ہے؟" (ص ۴۸۰)۔

وہ کہتے ہیں: "مشرقی پاکستان میں سوائے میرے تقریباً ہر شخص انتخابی معرکے کے بارے میں خوش فہم تھا" (ص ۴۸۱)۔ ان کے خیال میں ۸۵ء اور ۹۳ء کے انتخابات میں بھی یہی صورت حال رہی۔ جماعت اسلامی کے غیر مفاہمتی رویے اور دوسری طرف "الزامات" جھوٹے مفادات اور جھوٹے جذباتی نعرے لوگوں کو بہا کر لے گئے۔ بعد میں بھی ہر الیکشن میں اسی چیز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے" (ص ۴۸۲)۔

پچھلے انتخابات، منشور اور تخمینوں کے بارے میں خرم کا تجزیہ بڑی حد تک صحیح ہے مگر وہ ایک راست باز، کھرے اور صادق انسان کی حیثیت سے شاید یہی سمجھتے ہیں کہ انتخابات ہمیشہ غیر جانب دار ہوتے ہیں، اور ان میں منشورات کی شیطانی حکمت عملی سے لے کر بیلٹ بکسوں کو بھرنے کے منہاج تک کہیں غلط کاری نہیں ہوتی۔ یہ بات بہرحال درست نہیں۔ کیا دیانت دار، راست باز اور صالح افراد اور جماعتوں کو دروغ گوئی، تزویر، دھاندلی اور راست تشدد پر آمادہ کیا جا سکتا ہے، یا وہ ان انتخابی حکمت عملیوں میں شریک ہو سکتی ہیں، جو تیسری دنیا کا ناقابل تردید خاصہ ہیں؟ (پہلی اور دوسری دنیاؤں میں بھی فرق صرف حکمت عملی اور sophistication کا ہے، مگر یہ ایک دوسری بحث ہے)۔ بہرحال اس پوری داستان میں خرم،

جمہوریت اور جمہوری عمل پر غیر متزلزل ایمان رکھنے والے نظر آتے ہیں (۱۹۷۰ء کی ہولناک انتخابی شکست کے بعد مولانا مودودیؒ نے فرمایا تھا' اگر اسی طرح جمہوری عمل جاری رہا' تو تین' چار انتخابات کے بعد ہم اقتدار حاصل کرلیں گے!)۔

بھٹو - مجیب مذاکرات کی ناکامی کے بعد ۲۵ مارچ ۱۹۷۱ء سے مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائیوں کے براہ راست مشاہدے کے نتیجے میں خرم' فوج کے طرز حکومت سے ہمیشہ کے لیے مایوس ہو گئے۔

اس دوران مکتی باہنی اور علیحدگی پسند بنگالیوں سے نمٹنے میں جمعیت کے مقامی نوجوانوں کو شریک کرنے کے لیے "البدر" کا قیام عمل میں آیا۔ خرم کہتے ہیں کہ جمعیت سے گہرے تعلق کے باوجود اس سلسلے میں انھیں مشورے میں شریک نہ کیا گیا۔ انھیں فوج کے ساتھ ان نوجوانوں کے تعاون' حدود کار اور پالیسی سے اختلاف تھا: "مگر میں نے اپنی سخت رائے کے باوجود اجتماعی فیصلے کا احترام کیا" (ص ۵۱۳)۔

بالکل فطری طور پر قاری کو یہ تجسس ہوگا کہ ۱۹۷۷ء کے جنرل ضیا الحق کے مارشل لا اور فوجی حکام کی "نفاذ اسلام" کی کوششوں کے بارے میں خرم مراد کے کیا تاثرات اور اندازے تھے' مگر' جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے' ان کی یہ داستان' ڈھاکہ چھاؤنی میں بھارتی فوج کی تحویل میں جانے اور پھر بھارت کے جنگی کیمپ میں منتقلی پر ختم ہو جاتی ہے' اور یہ سوال کہ کیا ان کے نزدیک ایک "سلطان نصیر" کے تعاون سے' جس کی پشت پر مسلح افواج ہوں' کوئی مثبت تبدیلی لائی جاسکتی ہے' تشنہ رہ جاتا ہے۔

تاہم اسے وہ بالکل تشنہ بھی نہیں چھوڑتے۔ اسی "عہد ستم" میں وہ میجر جنرل راؤ فرمان علی سے اپنی ملاقات کا ذکر کرتے ہیں' جو ان کے خیال میں ایک "دین پسند" اور "جماعت کے ساتھ ہمدردی کے جذبات" رکھنے والے آدمی تھے۔ انھوں نے خرم سے سوال کیا "اگر آپ کو اقتدار مل جائے تو آپ اپنا پروگرام کس طرح نافذ کریں گے؟"

بقول خرم' پھر وہ خود ہی کہنے لگے: "مارشل لا میں ہمارا تجربہ یہ ہے کہ ہمارے کوئی بھی منصوبے یا پروگرام ہوں' اور فیصلے یا عزائم ہوں' یہ تمام کے تمام frustrate ہو کر بالکل ناکام ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ہمارے پاس مسلح افواج کی ایک بہترین تنظیم اور اتھارٹی رکھنے والی طاقت بھی موجود ہے' لیکن خود ہماری سول بیورو کریسی ان کو عملی جامہ نہیں پہناتی' بلکہ ردعمل سے پہلے ان کی روح نکال کر رکھ دیتی ہے۔ اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ جب تک آپ تحصیل دار کی سطح تک کمیونسٹوں کی طرح اپنے کسی تربیت یافتہ' بااعتماد' بے لوث اور سمجھ دار افسر کو مقرر نہیں کریں گے' اس وقت تک آپ اپنے پروگرام کا چھوٹے سے چھوٹا حصہ بھی نافذ نہیں کر سکیں گے۔ اسلامی انقلاب کا نفاذ تو ایک بہت بڑا کام ہے' اس کے لیے بہت زیادہ تربیت یافتہ' ہوشیار' دیانت دار' خدا خوف [کذا] اور ریک سو ٹیم تیار کرنی پڑے گی" (ص ۵۱۶)۔

خرم کے خیال میں اس بات میں وزن ہے: "رائے عامہ کی ہم نوائی اور کثیر تعداد کے دلوں میں آمادگی کے باوجود ہم اس نوعیت کے سپاہی، کارکن اور سرکاری کارندوں کی موجودگی کے بغیر وہ انقلاب نہیں لا سکتے، کہ جسے رات کے اندھیرے میں سونے کا تاج مل جائے تو وہ اپنا نام ظاہر کیے بغیر سپہ سالار کے خیمے میں پہنچا دے کہ یہ امت مسلمہ کی امانت ہے"۔

"نفاذ اسلام کا کام صرف قانون کے ڈنڈے، حکومت کی گرفت، پارلیمنٹ میں اکثریت اور سیاسی اقتدار کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتا۔ حکومت و سیاست اور اختیارات کے سرچشموں پر فائز لوگوں کی فکری تربیت بنیادی اہمیت رکھتی ہے" (ص ۵۱۶-۵۱۷)۔

پھر کیا یہ کلی وابستگی (total commitment) عقلی اور فکری بنیادوں پر استوار ہو سکتی ہے، جیسا کہ جماعت اسلامی کا عقل و فکر کو اپیل کرنے والا وافر لٹریچر فراہم کرتا ہے، یا جذبات کی بنیاد پر؟ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں، خرم کی رائے جذباتی پختگی ہی کو پروان چڑھانے اور راسخ کرنے کے حق میں محسوس ہوتی ہے۔

خرم کی بیش تر تحریروں کی طرح لمحات بھی ایک عملی کتاب ہے۔ ایک manual، کتاب ہدایت، نہایت واضح طور پر ایک بامقصد تحریر۔ لمحات کی صورت میں اپنی تحریکی زندگی کی جھلکیاں پیش کر کے وہ بغیر کسی اعتراف تقصیر و اعتذار کے بالواسطہ طور پر یہ بتاتے ہیں کہ ایک سچے دین دار طالب علم کی زندگی کیسی ہونی چاہیے۔ اسے اپنے تدریسی مشاغل، علمی شغف اور تحریکی معروفیات کے درمیان کس طرح توازن قائم کرنا چاہیے، اپنی خفتہ صلاحیتوں کی دریافت اور فروغ کے لیے کس طرح کاوش کرنی چاہیے، تحریکی کارکنوں اور عام طلبہ کے ساتھ اس کی روش کیسی ہو، اساتذہ کے ساتھ تعلقات کس طرح استوار کیے جائیں، عملی اور پیشہ ورانہ زندگی کے تقاضوں کے ساتھ تحریک کے مطالبات کو کس طرح ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے۔ اپنے اہداف کے حصول کے لیے نت نئے تجربات اور نئی راہیں کیسے نکالی جائیں، نقطۂ ہاے نظر کے اختلاف اور حکمت عملی میں عدم اتفاق سے کیوں کر نمٹا جائے (ص ۱۰۴-۱۰۵)۔ انفرادی رائے اور نظم کی پابندی کے درمیان توافق کس طرح ہو (ص ۱۷۸، ۳۴۶، ۴۱۰، ۵۱۴)۔ خوش گمانیوں اور "برخود صحیح" اور "صواب بینی" کے فریب کس طرح عزم اور حوصلے کی شکست کا باعث بنتے ہیں، اور ان کے تباہ کن نتائج کس طرح آرزوؤں کو پژمردہ کر دیتے ہیں (ص ۴۷۵-۴۸۰)۔ ناگزیر طور پر انھوں نے متعدد مقامات پر، کہیں واضح اور کہیں کنایتاً، یہ بتایا ہے کہ ان کے اندازے، تخمینے اور ان پر مبنی حکمت عملی، جماعت کے بعض اکابر یا مجالس سے مختلف رہی تھیں، لیکن انھوں نے نظم جماعت کو مقدم جانا (ص ۴۸۱، ۴۸۲، ۵۲۲)۔

بہرحال جماعت اسلامی کی نصف صدی سے زیادہ کی تاریخ (جس کے بڑے حصے پر خرم کی یہ خود گفت سوانح بھی پھیلی ہوئی ہے، اور جس کے خاصے بڑے حصے میں وہ ایک فعال کردار کے طور پر سامنے آتے

ہیں) تعقل اور جذباتیت' آئینی ذرائع اور جارحانہ پیش قدمی (مسلح جارحیت؟)' جمہوریت پر ایمان اور فوجی آمریت سے توقعات کے متغائر' پیچ دار اور دشوار گزار راستوں میں سرگرم سفر نظر آتی ہے۔ اس نہایت دل چسپ اور قابل مطالعہ کتاب میں جسے اپنے "اعتراف" میں پروفیسر خورشید احمد نے "اردو کے تحریکی ادب میں ایک منفرد اضافہ" قرار دیا ہے' خرم کی مسحور کن شخصیت کا عکس بڑی حد تک موجود ہے۔

لمحات چوں کہ ایک مقصدی کتاب ہے' اس لیے اس کا اسلوب بھی خرم کی دوسری تحریروں کی طرح سادہ لیکن دل آویز ہے۔ تاہم تحریر کی یہ سادگی' اور موضوعات کی متانت' اسے کہیں بھی اکتا دینے والی کتاب نہیں بنا دیتی۔ کیونکہ انداز واعظانہ نہیں' بلکہ داستان گو جیسا ہے۔ پوری کتاب میں واقعات کا ہجوم اور افکار و خیالات کی یلغار اس قدر زبردست ہے کہ پڑھنے والے کی توجہ اور دل چسپی کہیں کم نہیں ہوتی' اور وہ کہیں بھی اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا۔ واقعات کی تفصیلات اور ان میں موثر افراد اور کرداروں اور ان کی جزئیات پر خرم کے حافظے کی گرفت بڑی مضبوط اور قابل داد ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ کتاب ایک تفصیلی روزنامچے کو دیکھ کر مرتب کی گئی ہے' لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے' یہ فی البدیہہ' بے ساختہ اور ٹیپ شدہ گفتگو سے مرتب شدہ تحریر ہے۔

ایک ناول کی طرح دل چسپ' لغویات اور لایعنی مطائبات اور قصوں سے پاک یہ صاف ستھری کتاب ایک شخصیت کا خاکہ ہی نہیں' بلکہ پاکستان کے ایک عہد کی داستان بھی ہے۔ وہ داستان جس سے نوجوان نسل یا تو آگاہ ہی نہیں' یا اُسے بھولتی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر طالب علم اور تحریک اسلامی ہی نہیں بلکہ کسی بھی تحریک کا کارکن اس جیتی جاگتی تحریر سے وہ کچھ حاصل کر سکتا ہے' جو ایک خشک علمی تحریر سے ممکن نہیں۔

لمحات' خرم مراد' منشورات' منصورہ' لاہور۔ صفحات: ۵۶۰۔ مجلد: ۱۹۰ روپے' پیپر بیک: ۱۴۰ روپے۔

اخبار امت

مسجد اقصیٰ کے پاسبانوں کا عزم

عبدالغفار عزیز

جمال الدرہ نے اپنے ۱۲ سالہ لاڈلے بیٹے کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا: ”محمد! آج ہم اپنی گاڑی خریدیں گے“۔ بیٹا مچل گیا: ”ابو میں بھی ساتھ چلوں گا... میں بھی ....“ دونوں باپ بیٹا بازار کے لیے نکلے ہی تھے کہ اسرائیلی فوج کی زد میں آگئے اور ایسے پھنسے کہ سڑک پر کھڑی‘ سیمنٹ سے بنی صرف تین فٹ بلند رکاوٹ کے پیچھے چھپنے کی ناکام کوشش کرنے پر مجبور ہوگئے۔ ہر طرف سے گولیاں برس رہی تھیں--- اور پھر محمد و جمال کا حال پوری دنیا نے ٹی وی کی اسکرینوں پر دیکھا۔ پتھر دل بھی موم ہوگئے۔ وہ دشمن بھی‘ جن کے اندر انسانیت کی رمق تھی‘ دل تھام کر رہ گئے۔ فرانسیسی ٹی وی کے عرب فوٹوگرافر طلال ابورحمہ نے‘ جمال کی فریادیں‘ اور پھر بے ہوشی‘ محمد کی چیخیں اور پھر ابد تک کے لیے خاموشی‘ یہودیوں کی سنسناتی گولیاں‘ بارود کے دھویں کے کثیف بادل‘ سنگ دلی و وحشی پن کی منہ بولتی تصویر‘ سب اپنے کیمرے میں محفوظ کر کے مہذب دنیا کو اس کا چہرہ دکھا دیا۔ اس کا کہنا ہے کہ: ”میں باپ بیٹے سے صرف چار گز کے فاصلے پر جا پہنچا تھا لیکن گولیوں کی بوچھاڑ نے پھر پیچھے ہٹا دیا‘ باپ اپنے لخت جگر کو پورے ۴۵ منٹ تک‘ اپنے پہلو میں چھپانے کی کوشش کرتا رہا۔ اس دوران ایک ایمبولینس بھی انھیں بچانے کو آئی‘ گولیوں کی ایک باڑھ آئی اور ایمبولینس کا ڈرائیور بسام خود بھی موقع پر ہی شہید ہوگیا“۔

لاڈلا بیٹا آغوش پدر میں خون سے نہا گیا لیکن قبلہ اول کی وارث امت کی عیش و عشرت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ حکمرانوں نے دبے الفاظ میں مذمت کی اور پھر سے اسرائیلی وزیراعظم ایہود باراک اور امریکی صدر کلنٹن کے لیے ”شرم الشیخ“ میں مسندیں سجانے لگے۔ ذرائع ابلاغ نے چند روز محمد الدرہ کی چیخیں سنائیں اور پھر دو اسرائیلی فوجیوں کی ہلاکت کے نوحے سنانے لگے۔ دو ہفتوں میں سوا سو سے زائد فلسطینی شہیدوں اور ۳ ہزار سے زائد زخمیوں کی خبر ان کی نظر میں اہم یا breaking یا exclusive خبر نہیں‘ ”دو

طرفہ جھڑپوں" کا فطری نتیجہ تھی۔ محمد الدرہ کی شہادت کو بعض یورپی صحافیوں نے عالمی قتل، براہ راست نشر ہونے والا قتل (live murder) کہا لیکن مجموعی طور پر عالمی ذرائع ابلاغ امریکی وزیر خارجہ کے اسی بیان کو دہراتے رہے کہ: "اس امر کی تحقیق ہونی چاہیے کہ پہل کس نے کی"۔ یا صیہونی حکومت کے اس بیان کا پرچار کرتے رہے کہ: "محمد الدرہ فائرنگ کے تبادلے کا شکار ہوگیا"۔

بے حسی، بے حمیتی، درندگی، سفاکی.... اس قبیل کے تمام تر الفاظ فلسطین میں خون ریزی کے سامنے گنگ ہیں۔ ۲۸ ستمبر ۲۰۰۰ء کی صبح جب سابق اسرائیلی وزیر دہشت گردی، وزیر دفاع آریل شارون نے مسجد اقصیٰ میں اپنے نجس قدم رکھے تو ساری دنیا جانتی تھی کہ اس اقدام کا کیا مطلب ہے۔ دراصل صیہونی قبلہ اول کا وجود محو کر کے یہودی ہیکل کی تعمیر کے مرحلے کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا یہ ناپاک اقدام بھی اپنی منصوبہ بندی کے مطابق پورا ہو جاتا اگر قبلہ اول کی کوکھ محمد الدرہ جیسے درنایاب جنم نہ دیتی۔ کوئی بہادری سی بہادری ہے، شجاعت و دلیری ہی نہیں، ایمان پر مبنی شہادت کی آرزو و سرشاری ہے کہ بچے، جوان، خواتین اپنے سامنے کھڑے، اسلحے سے لیس، یہودی سپاہیوں کے سامنے ڈٹ جاتے ہیں، پتھر اور غلیل سے بکتربند گاڑیوں کو بھاگنے پر مجبور کر دیتے ہیں، اپنے ہم جولیوں، رفقائے کار کو خون شہادت سے وضو کرتے دیکھتے ہیں اور خوف زدہ یا کمزور ہونے کے بجائے مزید باہمت و توانا ہو جاتے ہیں!

کاش! قبلہ اول کے شیردل مجاہدوں، کانپتے ہاتھوں، روتی آنکھوں لیکن مزید قربانیوں کے لیے آمادہ دل کے ساتھ اپنے جوان بیٹوں کو قبر میں اتارتے بوڑھوں کی عظمت کو سلام پیش کرنے کے لیے پوری امت اٹھ کھڑی ہوتی۔ کاش! اہل ایمان کو یہ ادراک ہو جاتا کہ اگر اب بھی مقام معراج کی حفاظت نہ کی گئی تو مکہ و مدینہ کا تقدس محفوظ نہ رہ سکے گا۔ مسجد اقصیٰ کو شہید کر دینے اور "عظیم تر اسرائیلی ریاست" بنا لینے کے بعد صیہونی منصوبہ گر مدینہ منورہ تک ہی تو پہنچنا چاہتے ہیں۔ کیا خاکم بدہن عالم اسلام اسی روز بد کا انتظار کر رہا ہے؟

عالم اسلام کے اکثر حکمرانوں کا رویہ اس سوال کا جواب اثبات میں دیتا ہے لیکن امت کے نوجوان اس صیہونی خواب کو پریشان کر دینے کا ارادہ ہی نہیں، اظہار و اعلان بھی کر رہے ہیں۔ قبلہ اول کے حرم مقدس میں جاری خون کی ندیوں نے، مصر، اردن، مراکش، حتیٰ کہ سیاسی سرگرمیوں کو شجر ممنوعہ قرار دینے والی خلیجی ریاستوں میں بھی جوانوں کو تڑپا کر رکھ دیا ہے۔ وہ اٹھے ہیں، قید و بند کو توڑ کر اٹھے ہیں، سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں آتش پا ہو کر اٹھے ہیں اور اعلان کر رہے ہیں:

خیبر خیبر یا یہود، جیش محمد بدا یعود

یہودیو! خیبر کو یاد کرو، وہی لشکر محمدؐ دوبارہ آ رہا ہے

کتاب نما

تاریخ جماعت اسلامی --- (دوم)' آباد شاہ پوری۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی' منصورہ' لاہور۔ صفحات: ۴۳۷۔
قیمت: ۲۱۰ روپے۔

برعظیم کی تاریخ میں' جماعت اسلامی تمام سیاسی پارٹیوں میں اس اعتبار سے ایک منفرد اور ممتاز حیثیت رکھتی ہے کہ اس کی رکنیت' محض ممبرشپ فارم پُر کر کے چندے کی ادائگی پر منحصر نہیں' بلکہ کسی شخص کو رکن بناتے وقت یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ جماعت کی دعوت کو کس حد تک سمجھ سکا ہے اور اس کے نصب العین کے ساتھ اس کا تعلق اور وابستگی کس نوعیت کی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ نصف صدی سے زائد عرصہ گزر جانے کے باوجود' جماعت کے ارکان کی تعداد چند ہزار تک محدود ہے اور وہ دوسری جماعتوں کی طرح اپنے ارکان کی تعداد کو لاکھوں تک نہیں لے جا سکی' مگر اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ جماعت کا نظم مضبوط بنیادوں پر نہ صرف قائم ہے بلکہ متحرک اور فعال ہے۔

جماعت نے اپنی اسی مابہ الامتیاز فکری' دعوتی اور تنظیمی حیثیت کے سبب نہ صرف پاکستان' بنگلہ دیش' کشمیر' بھارت اور سری لنکا بلکہ بعض صورتوں میں دوسرے مسلم ممالک اور مغربی دنیا کے مسلم حلقوں پر بھی علمی و فکری اور تعلیمی و دعوتی نوعیت کے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مسلم دنیا میں اس وقت جتنی بھی اسلامی تحریکیں کام کر رہی ہیں' ان میں جماعت اسلامی کا شمار ایک سربرآوردہ اور بعض اعتبار سے پیش رو اور راہنما تحریک و تنظیم کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ ضرورت تھی کہ جماعت کی تاریخ مرتب کی جائے' اور جماعت قریب قریب اپنی ۶۰ سالہ زندگی میں جن نشیب و فراز سے گزری ہے' ان کا بے لاگ تجزیہ کیا جائے۔

مغربی دنیا میں جماعت اسلامی اور بانی جماعت مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (۱۹۰۳ء-۱۹۷۹ء) کے بارے میں بہت سے لوگوں نے مضامین' کتابیں اور تحقیقی مقالے لکھے ہیں۔ اس سلسلے کی تازہ کوشش ایک ایرانی نوجوان اسکالر سید ولی نصر کی ہے' جنھوں نے اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ جماعت اسلامی پر تحریر کیا اور بعدازاں ایک اور کتاب "Mawdudi and the Making of Islamic Revivalism" کے عنوان سے تحریر کی ہے۔ اردو میں ایک کام تو ڈاکٹر سید اسعد گیلانی مرحوم کا ہے (جماعت اسلامی ۱۹۴۱ء تا ۱۹۴۷ء' فیروز سنز' لاہور' ۱۹۹۲ء) اور دوسرا کام زیر تبصرہ کتاب کے مؤلف جناب آباد شاہ پوری کا ہے' جنھوں نے

تاریخ جماعت اسلامی (اول) ۱۹۸۹ء میں شائع کی تھی جو ایک اعتبار سے قیام جماعت کے پس منظر پر مشتمل ہے۔

اصل تاریخ زیر نظر حصہ دوم سے شروع ہوتی ہے جس میں تاسیس و قیام جماعت اسلامی سے لے کر قیام پاکستان تک جماعت کی دعوتی و تنظیمی پیش رفت، اس کے نشیب و فراز اور مختلف مراحل کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کتاب کے حسب ذیل عنوانات اور ابواب پر نظر ڈالیں تو اس کی جامعیت کا اندازہ ہوتا ہے: تاسیس و قیام جماعت، استقبال، جادہ و منزل، کاروان شوق، پہلا بحران، توسیع دعوت، نظریاتی استحکام اور تزکیہ و تربیت، تنظیم، مالیات، مخالفتوں کا ہجوم، جماعت اسلامی اور ہم عصر جماعتیں، اجتماعات، دارالاسلام، مرکز جماعت، پاکستان کی طرف ہجرت، مرحلہ ثانی کے ۶ برس---- کتاب کے آخر میں جماعت کا پہلا دستور، مولانا محمد منظور نعمانی کے نام مولانا مودودی کا خط، جماعت کی مجالس شوریٰ کے ارکان کے نام اور مختلف شعبوں کے ناظمین کے نام شامل ہیں۔ اس طرح مؤلف محترم نے موضوع کے جملہ پہلوؤں کا احاطہ کر لیا ہے۔

جناب آباد شاہ پوری کا شمار ایک وسیع المطالعہ، مشاق اور منجھے ہوئے اہل قلم میں ہوتا ہے۔ وہ اس سے پہلے مختلف علمی، تاریخی، دینی اور جماعتی موضوعات پر متعدد قابل قدر کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ سید بادشاہ کا قافلہ، تحریک مجاہدین کے موضوع پر ان کی ایک بے مثل کتاب ہے۔ اسی طرح اشتراکیت اور اشتراکی دنیا کے حوالے سے ان کا تحقیقی کام بھی معرکے کا ہے۔ زیر نظر کتاب کی تالیف میں بھی آباد صاحب نے اپنی تصنیفی ہنرمندی اور طویل تالیفی تجربے کو بروے کار لاتے ہوئے ایک نہایت وسیع اور ہمہ جہت موضوع کو سمیٹ دیا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے ممکن حد تک دستیاب مواد سے خاطر خواہ استفادہ کیا ہے تاہم کہیں کہیں طویل اقتباسات کھٹکتے ہیں، خصوصاً باب ہفتم میں۔ ص ۳۰۶ پر جماعت کے ممتاز اصحاب کی فہرست دی گئی ہے جو شاید اب بھی ناتمام ہے۔ اس فہرست میں بعض اصحاب کے ساتھ "سابق وفاقی وزیر----" کے لاحقے اچھے نہیں لگتے کیونکہ یہ وزارتیں جماعت کے لیے کبھی باعث افتخار نہیں رہیں اور نہ انھیں حوالہ بنانا چاہیے۔ اسی طرح بعض دیگر مقامات پر دیے گئے گوشوارے اگر ضمیموں میں دیے جاتے تو بہتر تھا۔ کہیں کہیں کمپوزنگ میں بھی ناہمواری محسوس ہوتی ہے۔ ابتدائی ابواب میں اقتباسات کا ایک انداز ہے، جب کہ باب ہفتم سے ایک دوسرا انداز اختیار کیا گیا ہے۔ مگر اس سے زیر نظر کتاب کی اہمیت کم نہیں ہوتی۔ کتاب کے استناد کے سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس کا مسودہ میاں طفیل محمد صاحب کا نظرثانی شدہ ہے۔ ان کے مشوروں کی روشنی میں جناب آباد شاہ پوری نے کتاب میں ترامیم اور اضافے کیے ہیں۔

آباد شاہ پوری کی زیر نظر کتاب، جماعت کی اندرونی ہیئت، مزاج اور نظم کے ساتھ اس کی ظاہری

جہتوں کو بھی نمایاں کرتی ہے۔ مطالعے کے دوران بہت سے معلومات افزا اور دل چسپ پہلو سامنے آتے ہیں۔ امید ہے کہ جماعت اسلامی کی تحریک سے دل چسپی رکھنے والے اصحاب' خصوصاً وہ لوگ جنھوں نے جماعت کے لٹریچر کا تفصیل سے مطالعہ نہیں کیا اور اس کے ابتدائی دور کی دعوت و تنظیم اور سرگرمیوں سے واقف نہیں ہیں وہ اس کتاب کے ذریعے بہت کچھ جان سکیں گے (رفیع الدین ہاشمی)۔

اہانت رسولؐ اور آزادی اظہار' ابوالامتیاز ع س مسلم۔ ناشر: مجلس نشریات اسلام' ناظم آباد نمبرا' کراچی۔ صفحات: ۱۷۲۔ قیمت: درج نہیں۔

اس کتاب کا مقصد قانون توہین رسالتؐ پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دینا ہے۔ بحث اس قانون کے خلاف مصنف کو موصول ہونے والے تین خطوط کے جوابات کی شکل میں ہے۔ اصل خط کتابت انگریزی میں ہے' یہ اس کا اردو ترجمہ ہے' جسے مزید دلائل و اسناد اور وضاحتوں کے ساتھ کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ اپنے پہلے خط میں معترض (بقول خود: "ایک روشن خیال مسلمان") یہ کہتے ہیں کہ: "توہین رسالتؐ کے خلاف قانون قرآن میں کہیں نہیں ہے۔ احادیث انسانوں کی تحریر کردہ ہیں (یہ مسلمانوں کے تراش کردہ بت ہیں)۔ ان کی بنیاد پر کسی کو سزاے موت نہیں دی جاسکتی وغیرہ وغیرہ"۔

جواب میں جناب ع' س مسلم کی تحریر کا محرک اگرچہ عشق رسولؐ ہی ہے' مگر ان کی تحریر نری جذباتیت پر نہیں' بلکہ علم و استدلال پر مبنی ہے۔ مصنف نے ایک طرف تو قرآن کے مطابق حدیث کی اہمیت کو بیان کیا ہے' اور دوسری طرف ایک مسلم معاشرے کے لیے اس قانون کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ پھر یہ بتایا ہے کہ اس قانون کی عدم موجودگی میں مسلمانوں کو کیا کیا ماوراے قانون اقدامات کرنے پڑے (یعنی غازی علم الدین شہید اور غازی عبدالقیوم شہید کے کارناموں کا تذکرہ ہے)۔ معترض نے اپنے دوسرے اور تیسرے خطوط میں اس طرح کی بحثیں چھیڑنے کی کوشش کی ہے کہ فساد تو دنیا میں بہت ہو رہا ہے' کیا ہر ایک کے تدارک کے لیے قتل ضروری ہے؟ پھر توہین رسالتؐ کے مرتکب افراد کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے' اور کہا ہے کہ ان کی کتب کا علمی جواب دینا چاہیے تھا نہ کہ انھیں سزا دی جائے۔ جواب میں مسلم صاحب یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ سزائیں تو ملک کے خلاف غداری' تخریب کاری' جاسوسی' اور منشیات پھیلانے پر بھی دی جاتی ہیں۔ آخر توہین رسالتؐ پر ہی سزا کیوں ختم کی جائے؟ پھر چند مزید نکات کی وضاحت کی گئی ہے جو اس خط کتابت میں نہ آسکے' مثلاً: قرآن کی رو سے تضحیک رسولؐ کا کفر ہونا' زمانہ رسالتؐ میں توہین رسالتؐ کی سزا کا نفاذ اور اس سزا پر اجماع امت۔

کتاب کا آخری (تہائی) حصہ بہائی کمیونٹی کی طرف سے پھیلائے جانے والے ایک مراسلے پر تبصرہ ہے'

جس میں عقل و سائنس کے غلبے، انسانیت اور تعصبات اور نفرت کے خاتمے کی خاطر بے دینی کی تلقین ہے، مساوات مرد وزن کا نعرہ ہے، اور سب سے دل چسپ بات یہ ہے کہ دنیا بھر میں ایک زبان اور ایک حکومت کی تائید ہے۔ مصنف قارئین کو بتاتے ہیں کہ بہائی کیونٹی کو ایک استعماری طاقت (روس) نے ڈیڑھ سو سال قبل اپنے مذموم مقاصد کی خاطر تشکیل دیا تھا اور یہ آج تک مغربی استعمار کے ایجنٹ کا کام کر رہی ہے۔ اس علمی تبصرے میں اسلام کے خلاف ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلائے جانے والے کئی شکوک و شبہات کا معقول جواب آگیا ہے۔ یوں یہ مخالف اسلام پراپیگنڈے کے توڑ کی ایک قابل قدر کوشش بن گئی ہے (ڈاکٹر بلال مسعود)۔

کنارے کنارے، حسین احمد پراچہ۔ ناشر: سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ صفحات: ۱۴۴۔ قیمت: ۱۵۰ روپے۔

ابن بطوطہ نے سفر تو بہت کیے اور اس نے اپنے سفرنامے میں دنیا جہان کے عجائبات کا تذکرہ کر کے اپنے دور کے قارئین کو حیران اور ششدر کر کے رکھ دیا۔ زیر نظر سفرنامے میں حسین احمد پراچہ، ابن بطوطہ کا کردار تو ادا نہیں کر سکے کہ آج دنیا بڑی حد تک دریافت ہو چکی ہے مگر پراچہ صاحب جس بے تکلفی، برجستگی اور شگفتگی کے ساتھ ہمیں قاہرہ، تیونس، استنبول، جدہ، مکہ، مدینہ اور لندن وغیرہ کی سیر کراتے ہیں اور پھر مشاہدے کی ظاہری سطح سے اتر کر جس طرح در دل پر دستک دیتے ہیں، بعدازاں جملہ تاثرات کو جتنی عمدگی سے صفحہ قرطاس پر منتقل کرتے ہیں، وہ ابن بطوطہ سے بھی ممکن نہ ہوا تھا۔

مختلف شہروں کی سیاحت پر مشتمل ۹ ابواب کا یہ مجموعہ مصر، تیونس، ترکی، انگلستان اور سعودی عرب کی مختصر جھلکیاں دکھاتا ہے۔ سعودی عرب میں تو، خیر وہ ایک طویل عرصے سے مقیم ہیں اور اکثر و بیشتر "گھر، خدا کا" دیکھتے رہتے ہیں مگر "خدا کی شان" دیکھنے کے لیے انھیں لندن جانا پڑا۔ بیشتر مقامات سے وہ ایک ہی بار گزرے لیکن انھوں نے اپنے خوب صورت اسلوب میں ان مقامات کی ایسی صاف، دل کش اور رنگین تصویر پیش کی ہے کہ مطالعہ و مشاہدہ اور ماضی و حال آپس میں گھل مل گئے ہیں۔ لالہ صحرائی کے بقول یہ سفرنامہ اردو ادب میں فی الحقیقت نمایاں حیثیت کا حامل ہے۔

پراچہ صاحب قارئین کو بھی اپنے احساسات میں شامل کرتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: "ہمیں افسوس کا احساس ہوا کہ ہم اس ہفت رنگ جہاں کی سیاحت سے کیوں محروم رہے۔ بعض اوقات آنکھ بند کرنے اور بسااوقات آنکھ کھولنے سے امیدوں کا جہاں مل جاتا ہے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ ہم آنکھ میچنے کی لذت سے ناآشنا اور نہ آنکھ کھولنے کی اہمیت سے آگاہ ہیں" (ص ۱۱۰) (ر-ف)۔

چیچنیا میں اسلام اور مسلمان ' ڈاکٹر سید محمد یونس ' ترجمہ: ڈاکٹر محمد سمیع اختر۔ ناشر: ایچ وائی پرنٹرز ' اردو بازار ' لاہور۔ صفحات: ۱۳۰ قیمت: ۷۵ روپے۔

گذشتہ ربع صدی میں اسلامی تحریکیں نئے عزم و حوصلے سے آگے بڑھی ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اسلام دشمن طاقتوں نے دنیا بھر میں مسلمانوں پر ظلم و استبداد کا سلسلہ بھی تیز تر کر دیا ہے خصوصاً گذشتہ ایک عشرے میں روس کی ٹوٹ پھوٹ سے امت مسلمہ کے مصائب میں بے پناہ اضافہ ہوا ہے۔ بوسنیا' فلسطین' کشمیر' برما' کوسووا' اور اب چیچنیا میں مسلمانوں کو قیامت کا سامنا ہے۔ زیر نظر کتاب' چیچنیا کے اہم مسئلے پر ایک اچھی دستاویز ہے۔

یہ مختصر کتاب ڈاکٹر سید محمد یونس کی عربی تحریر کا ترجمہ ہے۔ مصنف نے نہایت اختصار اور جامعیت سے چیچنیا کے محل وقوع سے لے کر موجودہ حالات تک کا جائزہ پیش کیا ہے بلکہ اس سلسلے میں متعلقہ مواد یکجا کر دیا ہے۔

چیچنیا کی جغرافیائی اور اقتصادی اہمیت' خلفاے راشدین کے عہد میں اس خطے کے عوام کا قبول اسلام' ان کی حمیت و غیرت' جذبہ جہاد اور حریت پسندی کی مختصر تاریخ' اسلام کے تہذیبی اثرات' روس کی مختصر تاریخ' بالشویک اور کیمونسٹ حکومت کے مظالم' آزادی کے صرف تین سال' چیچنیا پر چار لاکھ روسی فوج کا حملہ اور مسلمانوں کی نسل کشی' اسلامی ممالک اور مغربی طاقتوں کے رویے--- غرض کوزے میں دریا بند کیا گیا ہے۔ مصنف نے نہ صرف حالات و واقعات بیان کیے بلکہ اپنوں اور غیروں کے رویے کا ذکر کرتے ہوئے امت مسلمہ کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلانے کی کوشش بھی کی ہے (عبداللہ شاہ ہاشمی)۔

ماہنامہ آئین ' لاہور (بیجنگ پلس فائیو کانفرنس پر اشاعت خصوصی ' چار شمارے)۔ مدیر: مرزا محمد الیاس۔ ۱-۱اے/۹' رائل پارک ' لاہور۔ زر سالانہ: ۲۰۰ روپے۔ قیمت فی شمارہ: ۲۰ روپے۔

جناب مظفر بیگ کے انتقال کے بعد ماہنامہ آئین بند ہو جانے کا خدشہ تھا لیکن اس نے جناب مرزا الیاس کی ادارت میں ایک نئے انداز اور شان سے شروع ہو کر' اگر یہ کہا جائے ' کہ اپنا سکہ جمالیا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ اس لحاظ سے یہ ایک نئے رجحان کا نمایندہ بن کر سامنے آیا ہے کہ اس نے تنوع اور رنگارنگی کے چٹ پٹے پن کر چھوڑ کر اپنے لیے ایک موضوع کو خاص کر لیا اور اس پر اتنی وقیع اور تازہ ترین معلومات دی ہیں کہ آئین کے ان شماروں کو بلا تامل ایک تحقیقی کاوش قرار دیا جا سکتا ہے ' جس میں کسی تحقیق کار کے لیے بیش بہا بنیادی لوازمہ موجود ہے۔ موضوع اس دور کا' اور ہو سکتا ہے کہ ہر دور کا' اہم ترین موضوع یعنی خواتین ہے۔

تہذیب جدید نے عورت کو جس مقام پر پہنچا دیا ہے اور رسل و رسائل کی جدید سہولتوں نے اس مقام

کو جس طرح ہر دیکھنے والی آنکھ کے سامنے عیاں کر دیا ہے' وہ کوئی راز کی بات نہیں ہے۔ اسلام اور مغرب کی کش مکش میں تین چار اہم ترین مسائل میں سے ایک خواتین کے مقام کو قرار دیا جاتا ہے جس کا اظہار خواتین کے موضوع پر اقوام متحدہ کی سلسلے وار کانفرنسوں سے ہو رہا ہے۔ مرزا الیاس اور ان کے رفقا نے بیجنگ پلس فائیو کانفرنس کے حوالے سے ان چار خصوصی اشاعتوں میں اتنا لوازمہ اردو میں فراہم کر دیا ہے جتنا کسی نے پاکستان میں انگریزی میں بھی نہیں کیا ہے۔ ان کی ٹیم اس پر ہدیہ تبریک اور ہر طرح کی حوصلہ افزائی کا استحقاق رکھتی ہے۔ کانفرنس کے حوالے سے انھوں نے کئی دستاویزات اور کئی تقاریر کے مکمل متن شامل اشاعت کیے ہیں۔ کانفرنس کے چھ دن کی روزانہ کارروائی نقل کی ہے۔ یقیناً ہر چیز انٹرنیٹ پر موجود تھی لیکن اسے "نیچے اتار کر" ترجمہ کرنا' ایک خاص وقت کے اندر شائع کرنا' اور اسے استفادے کے لیے فراہم کر دینا غیر معمولی کاوش ہے۔

اسلامی معارف اور تحقیقات کے نام پر ملک میں کئی ادارے قائم ہیں۔ اس مسئلے کی اسلام کے حوالے سے اہمیت محتاج بیان نہیں۔ اگر کوئی ادارہ اس کام کو کرتا جو اس رسالے کے مدیر نے محض اپنے احساس فرض کے تحت انجام دیا ہے' تو یہ اس ادارے کی قابل فخر کارکردگی شمار ہوتی۔ یہ چاروں شمارے امت مسلمہ کے مستقبل سے دل چسپی رکھنے والے ہر صاحب علم و ذوق کی ضرورت ہیں اور کسی بھی قابل ذکر لائبریری کو اس سے بے نیاز نہیں رہنا چاہیے۔ ستمبر ۲۰۰۰ء کے شمارے میں آیندہ ۱۲ خصوصی شماروں کا منصوبہ شائع کیا گیا ہے۔ جن حالات میں اس طرح کے کام ہوتے ہیں' ان کا اندازہ کرتے ہوئے مدیر آئین کے حوصلے کی داد دینا پڑتی ہے (مسلم سجاد)۔

مشاہدات حرم' مولانا امین احسن اصلاحی۔ ناشر: دارالتذکیر' اردو بازار' لاہور۔ صفحات: ۱۷۲۔ قیمت: ۹۰ روپے۔

حج کے سفرنامے کا لطف کچھ زیادہ اس لیے ہوتا ہے کہ اس میں ذکر محبوب ہوتا ہے۔ اس ذکر محبوب کی یہ بات عجیب ہے کہ رقابت کا جذبہ بیدار نہیں ہوتا بلکہ دوسروں کے اظہار محبت سے اپنے لطف میں اضافہ ہوتا ہے اور پڑھنے والا گویا خود بھی شریک ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اس خیال سے یہ کتاب ہاتھ میں لی تو یہ شوق کچھ خاص پورا نہ ہوا۔ یہ مصنف کے حج سے زیادہ سفر حج کے تاثرات' واقعات' ملاقاتیں' اس پر ان کے تبصروں' تجاویز اور مشوروں پر مشتمل ہے۔ خاص حج کا ذکر چند صفحات تک محدود ہے۔ کتاب کے مطالعے سے ۴۲ برس پہلے کے دور کے حالات' سفر حج کی معلومات سامنے آتی ہیں جو جدید دور کے مسافر حج کے لیے یقیناً دل چسپی کا باعث ہے۔ انداز بیان سادہ' دل نشیں اور رواں ہے اور قاری پڑھتا ہی چلا جاتا ہے (م-س)۔

مدیر کے نام

پروفیسر عبدالقدیر سلیم، کراچی

مقالہ خصوصی "پاکستانی قوم کو انتباہ" (اکتوبر ۲۰۰۰ء) بہت واضح اور صاف بصیرت کا آئینہ دار ہے۔ افسوس یہ ہے کہ "ہمیں" بہت دیر سے پتا چلا کہ اسلام اور مسلم اقوام کا اصل حریف مغرب اور اس کا سرخیل امریکہ ہے۔ ہم نے اپنی عنفوانی قوت اور صلاحیت ایک ایسے دشمن سے لڑنے میں صرف کر دی جس کا غلبہ اور جبروت مصنوعی بنیادوں پر کھڑا تھا، اور نتیجتاً آج "یک قطبی دنیا" میں ہمیں ایک زیادہ طاقت ور اور چالاک دشمن کا سامنا ہے، جس کا "چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر" ہے۔ یہ دوست نما دشمن زیادہ خطرناک ہے۔ اس خطرے سے نمٹنے کے لیے پروفیسر خورشید احمد نے جو چھ نکات پیش کیے ہیں، نہایت وقیع ہیں۔ ان کے ساتھ ساتھ میرے خیال میں مغرب سے معاشی مقاطعہ، اختیاری غربت (قومی سطح پر) اور مغرب کی فکر، زبان، طرز زندگی، رسوم و آداب، اطلاعی ذرائع کی تحدید اور سورہ کہف کی عملی تلاوت ضروری ہے۔

آسی ضیائی، لاہور

سید عرفان گیلانی صاحب کو شکوہ ہے کہ اس سلسلۃ الذہب میں، میں نے مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم کا نام کیوں نہ لیا، جب کہ "خود سید مودودی" نے مولانا آزاد" کی اس دینی اور ادبی حیثیت کو قبول کیا ہے ("مدیر کے نام"، اکتوبر ۲۰۰۰ء)۔

مولانا آزاد کے بارے میں مولانا مودودی کی رائے صرف اتنی ہے کہ ان کی حیثیت ایک ایسے موذن کی ہے جو فجر کی اذان دے کر واپس اپنے گھر میں جا سویا۔ اب اس تبصرے کے بعد میرے لیے کچھ اور کہنے کی کیا گنجایش رہ جاتی ہے! اس رائے کا تعلق بھی مولانا آزاد کی علمی خدمات سے ہے، جب کہ میں نے اپنے مقالے میں اردو ادب کے ارتقا کو ملحوظ رکھا ہے۔

محمد شفیق اعوان، حضرو، اٹک

ماہنامہ الرشید خصوصی اشاعت پر تبصرے ("کتاب نما"، اکتوبر ۲۰۰۰ء) میں لکھا گیا ہے: "اور مولانا محمد یوسف (لدھیانوی) نے اپنے دائروں میں عمر بھر علمی اور دینی خدمات انجام دینے میں مصروف رہے" (ص ۸۰)۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی تو ساری زندگی دیوبندی مکتبہ فکر کو حق اور اہل حدیث، جماعت اسلامی اور بریلوی مکتبہ فکر کو باطل ہی ثابت کرتے رہے۔ ان کی صرف ایک کتاب اختلاف امت اور صراط مستقیم کو پڑھ لیجیے جس میں اہل حدیث اور بریلوی حضرات کو باطل ثابت کیا گیا ہے۔ کتاب کے بیشتر صفحات جماعت اسلامی کو باطل ثابت کرنے پر سیاہ کیے گئے ہیں۔ کیا یہ دینی

خدمت ہے؟ یہ تو فرقہ وارانہ خدمت ہے۔ مناسب یہی ہے کہ تبصرے میں تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ خامیاں اور کوتاہیاں بھی بیان کی جائیں۔

سیف اللہ خالد، کراچی

"اراکان: جدوجہد کا پس منظر" ("اخبار امت"، اکتوبر ۲۰۰۰ء) ایک مفید، معلوماتی اور اراکانی مسلمانوں کی جدوجہد آزادی کی آئینہ تحریر ہے، تاہم اراکانی تنظیموں کے بیان میں ایک جگہ کچھ تھوڑی سی چوک ہو گئی ہے۔ اراکانی مسلمانوں کی دوسری قابل ذکر تنظیم حرکت الجہاد الاسلامی نہیں، بلکہ اراکان روہنگیا نیشنل آرگنائزیشن (ARNO) ہے جس کے پاس باقاعدہ معسکر ہے اور مجاہدین اور اسلحہ بھی ہے۔ پہلے اس کا نام ARIF (اراکان روہنگیا اسلامک فرنٹ) تھا۔ اس کے سربراہ کا نام نورالاسلام ہے۔ اپنے طور پر بھی اور "آر ایس او" کو ساتھ ملا کر بھی انھوں نے برمی فوج کے خلاف مسلح کارروائیاں کی ہیں۔ حرکت الجہاد الاسلامی اراکان افغان نژاد پاکستانیوں کی اراکانیوں پر مشتمل ایک شاخ یا تنظیم تھی۔ افغان جہاد کے دور میں یہ لوگ بھی اراکان میں جہاد کی باتیں اور ارادے ظاہر کرتے رہے مگر اب اگرچہ تنظیم کا نام نہیں بدلا مگر زور تعلیم اور رفاہی امور پر ہے، جہاد یا قتال پر نہیں۔ دوسری قابل ذکر تنظیم ARNO ہے۔ حرکت الجہاد کو تیسری تنظیم کہا جا سکتا ہے۔ افغان جہاد کے عروج کے زمانے میں اراکانی مسلمانوں نے بڑی تعداد میں تنظیمیں بنا رکھی تھیں مگر اب یہی تین باقی رہ گئی ہیں جن میں حرکت الجہاد، فی الواقع جہادی تنظیم نہیں رہی۔ دوسرا تسامح RSO کے سربراہ کے نام میں ہوا ہے۔ اس کے موجودہ امیر کا نام شیخ دین محمد ہے، ڈاکٹر یونس صاحب سابق امیر ہیں۔

عبدالمجید ساجد، لاہور

ڈاکٹر سید عبدالباری کے مضمون "نئی صدی میں ہماری ترجیحات" (اکتوبر ۲۰۰۰ء) نے واقعی دلوں کے تاروں کو چھیڑا ہے، اور کچھ سوچنے اور فکر کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ بلاشبہ ابھی وقت ہے کہ مسلمان "ذرائع ابلاغ، ترسیل معلومات اور ذرائع نشرواشاعت" کے جدید ترین وسائل استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ تکنیکی وسائل تک بھی رسائی حاصل کریں۔ ان کا یہ فقرہ ہمارے دل و دماغ کے قفل کھولنے کے لیے کافی ہونا چاہیے: "کیا ہی اچھا ہو کہ میڈیا، رسل و رسائل اور ذرائع معلومات کے لیے ملت اسلامیہ کا ایک بین الاقوامی فورم وجود میں آئے" (ص ۴۹)۔

پروفیسر محمد منظور علی شیخ، لاہور

میں، الحمدللہ ترجمان القرآن کا مستقل خریدار ہوں۔ یہ جریدہ اپنے قارئین کی، اسلامی خطوط و مناہج پر قابل تحسین اخلاقی، معاشرتی اور سیاسی تربیت و رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہا ہے اور مسلم دنیا میں، اسلامی تحریک و انقلاب کا بہت بڑا نقیب و داعی ہے۔ رب کریم، محترم پروفیسر خورشید احمد صاحب اور ان کے رفقا کی زندگی میں برکت دے اور اپنی بے پایاں رحمت سے نوازے، آمین!

ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی، علی گڑھ، بھارت

ایک غور طلب بات یہ ہے کہ معروف سوالوں کے طے شدہ جوابات کی تبلیغ یا ان کی نئے دلائل سے تاکید کا کام اب

مجھے نہ زیادہ اہم نظر آتا ہے، نہ مفید اور نتیجہ خیز۔ بہت سے نئے سوالات سامنے آچکے ہیں جن سے ہم اپنی تحریروں میں کتراتے ہیں۔ ان کی طرف توجہ ضروری ہے۔ اس سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ خود ہم نئے سوالات اٹھائیں، ایسے سوالات جن کے جواب سمجھ میں نہ آتے ہوں۔ کیا ہماری قلمی دنیا ایسا کرنے کی متحمل ہے؟ کیا ہم ایسی فضا بنا سکتے ہیں کہ کچھ نئے لوگ نئے جوابات بے جھجک ہمارے غور کے لیے پیش کر سکیں؟

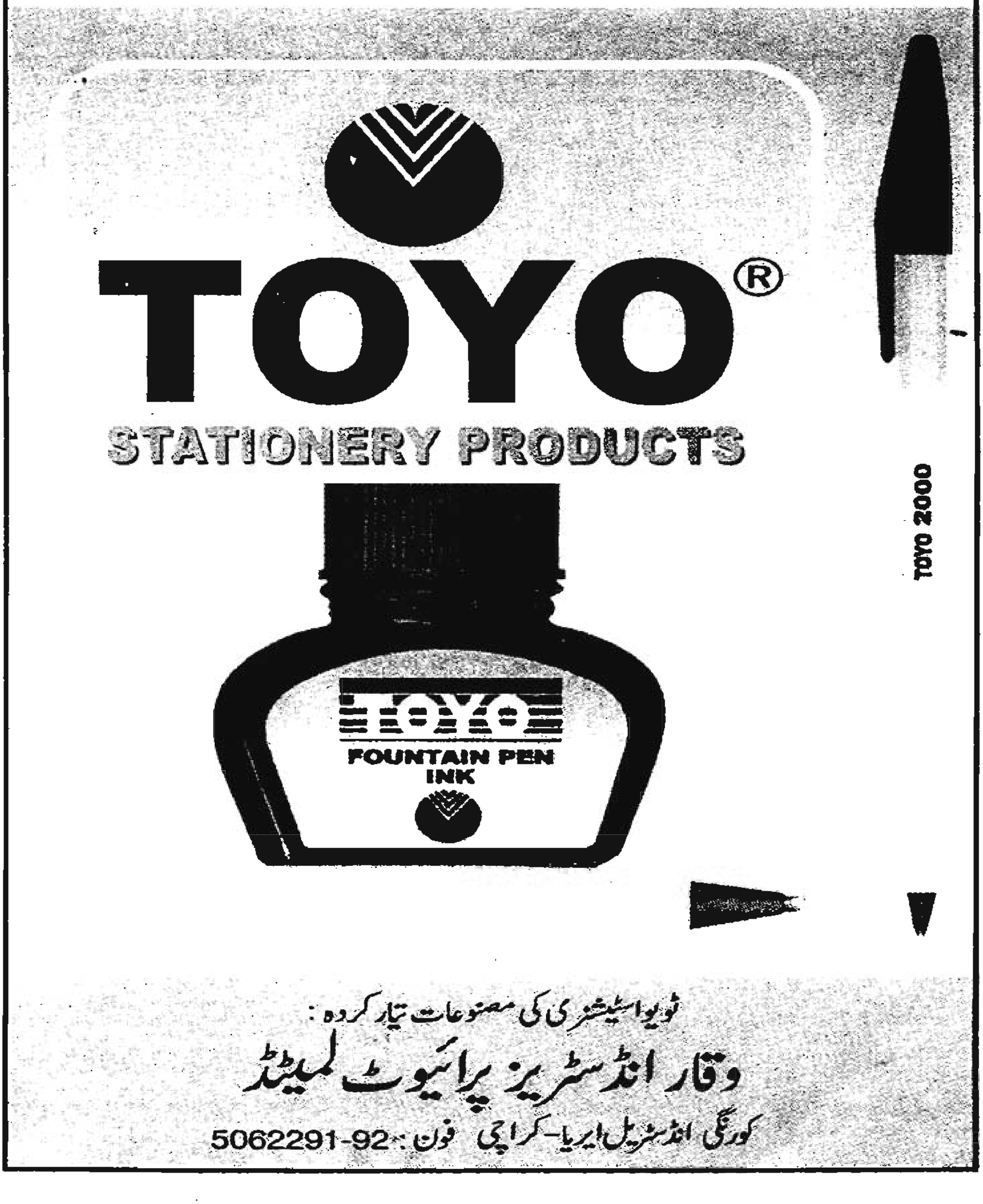
ابوالحسین، راولپنڈی

”فرقہ بندی“ (”۶۰ سال پہلے“، ستمبر ۲۰۰۰ء) کے عنوان سے مولانا مودودیؒ کی مختصر تحریر کا بار بار مطالعہ کیا اور جتنی بار اس کو پڑھا اتنی ہی تشنگی بڑھتی گئی۔ یہ بھی مولانا مرحوم کی بصیرت کا کمال ہے کہ برسہا برس پہلے انھوں نے ہمارے اس مرض کو موضوع بنایا جو آج گلی گلی بلکہ گھر گھر سرایت کر چکا ہے۔

محمد فاروق، کوٹلی، آزاد کشمیر

”منصوبہ بندی اور معاشی ترقی“ (اگست ۲۰۰۰ء) میں بڑی خوش اسلوبی سے ملک کے ہر فرد کو آگاہ کر دیا گیا ہے کہ دیکھو، قرآن کیا کہہ رہا ہے؟ کسی کے آنے سے کوئی تنگی نہیں ہوتی۔ جس ذی روح نے دنیا میں آنا ہے اللہ تعالیٰ اس کا رزق پہلے ہی زمین پر بھیج دیتے ہیں۔ مغربی تہذیب کے دانش وروں کو اندیشے اپنی کم شرح تولید کے بارے میں ہونا چاہییں نہ کہ دنیا بھر کی ماؤں کو بنجر بنانا ان کا مطمح نظر ہونا چاہیے۔ افسوس کا مقام ہے کہ ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی مغربی رویوں کے آگے جھکنے کے عادی ہو چکے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتا، اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہو جاتا ہے (ترمذی)۔



تن درُست رہنا ہرانسان کا حق ہے

تن دُرستی ہرانسان کی ذاتی ضرورت ہے، مگر تن دُرستی پاکستان کی بھی ضرورت ہے

تن سُکھ سے تن دُرست

پاکستان سے محبت کرو، پاکستان کی تعمیر کرو، آزادی کا احترام کرو



ہر فردِ ملت کا حق اور فرض ہے کہ وہ تن دُرست رہے، توانا رہے اور پوری طاقت اور توانائی کے ساتھ پاکستان کی تعمیر کا فریضہ سرانجام دے۔

تن سُکھ سے تن دُرست

مدینۃ الحکمہ (شہرِ علم و حکمت) کے باغِ نباتات میں کاشت کردہ مشہورِ عالم ایلوویرا اور نباتاتِ چنیدہ سے تیار کردہ تن سُکھ ایک بے مثل نباتی مرکب ہے۔ اس کا ہر قطرہ ضامنِ صحت ہے۔ عنوانِ تن دُرستی ہے۔

ہر کھانے سے پہلے چار چار چمچے نوشِ جان کیجیے اور دوران کار جب تھکن محسوس ہو تو پانچ چمچے پانی میں ملا کر نوشِ جان کیجیے اور ہر دم توانا رہیے اور ہمہ وقت چاق چوبند۔

تن سُکھ

ہر نونہال اور ہر نوجوان کی ضرورت
ہر کمزور اور ناتواں انسان کی حاجت

ہمدرد

تعلیم، سائنس اور ثقافت
مدینۃ الحکمہ کا عالمی منصوبہ
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

S7

حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز سے چھپوا کر ۵-اے ذیلدار پارک ' اچھرہ ' لاہور سے شائع کیا

C .P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.

C.P.L. 236

Phone : 7587916
7585590

Monthly **TARJUMAN-UL-QURAN** LAHORE.